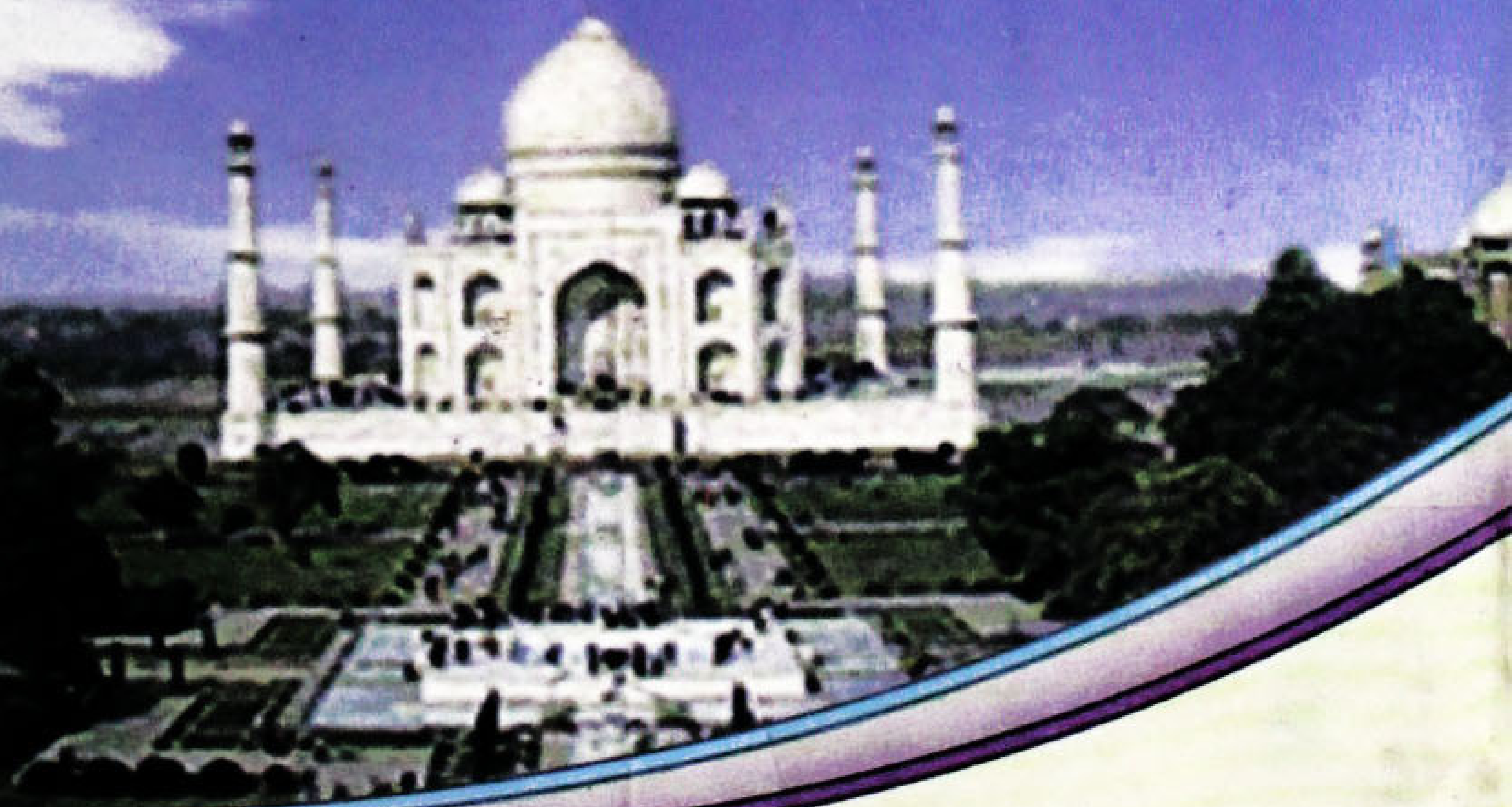
فیصل احمد ندوی بھٹکلی

اورنگ زیب عالمگیر

باپ اور بھائیوں کے معاملات
سیاست اور شریعت کی میزان میں

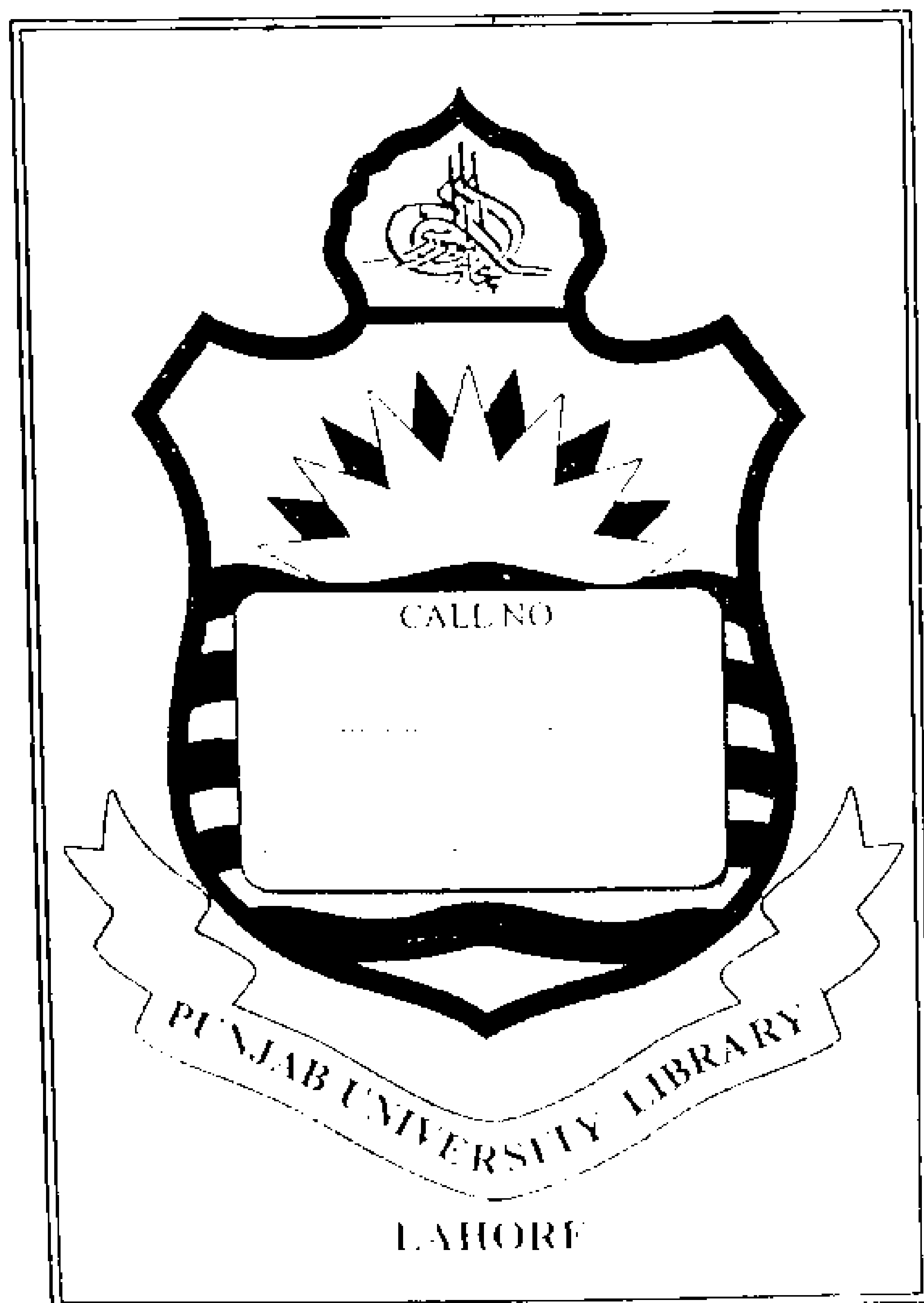


ادارۂ احیائے علم ودعوت۔ لکھنؤ

ذخیرۂ پروفیسر محمد اقبال مجددی

جو 2014ء میں پنجاب یونیورسٹی لائبریری کو

ہدیہ کیا گیا۔



بخدمت محترم جناب محمد اقبال مجددی صاحب

فیصل احمد ندوی بھٹکلی

۱۴ شعبان ۱۴۲۶ھ

سلسلۂ مطبوعات-۵

اورنگ زیب عالم گیر

باپ اور بھائیوں کے معاملات

سیاست و شریعت کی میزان میں

فیصل احمد ندوی بھٹکلی



ادارۂ احیاے علم و دعوت-لکھنؤ

پہلا ایڈیشن

نام کتاب	:	اورنگ زیب عالم گیر-باپ اور بھائیوں کے معاملات سیاست وشریعت کی میزان میں
نام مصنف	:	فیصل احمد ندوی بھٹکلی
صفحات	:	۹۶
سنہ اشاعت	:	ربیع الآخر ۱۴۲۷ھ- مئی ۲۰۰۶ء
تعداد اشاعت	:	۱۰۰۰
طباعت	:	کاکوری آفسیٹ پریس، لکھنؤ

ناشر
ادارۂ احیائے علم ودعوت-لکھنؤ

تقسیم کار:-مکتبۃ الشباب الجدیدۃ، شباب مارکیٹ، ندوہ روڈ، لکھنؤ

دیگر ملنے کے پتے
مجلس تحقیقات ونشریات اسلام-پوسٹ باکس ۱۱۹، ندوہ، لکھنؤ
مولانا ابوالحسن اسلامک اکیڈمی پوسٹ باکس ۳۰، بھٹکل، کرناٹک

فہرست عناوین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱	پیش لفظ	۵
۲	اورنگ زیب کی شخصیت	۷
۳	انصاف پسند غیر مسلم مورخین کی نظر میں	۸
۴	اورنگ زیب کے باپ اور بھائیوں کے ساتھ سلوک کے سلسلے میں دو متضاد نظریات	۹
۵	صحیح موقف	۱۰
۶	اورنگ زیب کی دینی حالت اور تعلیم وتربیت	۱۱
۷	داراشکوہ کے ساتھ شاہ جہاں کا جانب دارانہ برتاؤ	۱۴
۸	اپنے بیٹوں کے بارے میں شاہ جہاں کی رائے	۱۵
۹	دارا کی افتادِ طبیعت	۱۶
۱۰	داراشکوہ کا دوسرے بیٹوں سے شاہ جہاں کو بدظن کرنا	۲۰
۱۱	اورنگ سے سے شاہ جہاں کی بدظنی	۲۱
۱۲	اورنگ زیب کی فرماں برداری اور سعادت مندی	۲۱
۱۳	اورنگ زیب کے ساتھ داراشکوہ کا معاندانہ رویہ	۲۵
۱۴	شاہ جہاں کے انتقال کی خبر اور بیٹوں کے اقدامات	۲۷
۱۵	داراشکوہ کا اورنگ زیب سے برسرِ پیکار ہونا	۳۲
۱۶	شاہ جہاں کی دوغلی پالیسی اور اورنگ زیب کی بیدار مغزی	۳۲
۱۷	قلعے میں اورنگ زیب کے قتل کی تیاریاں	۳۸
۱۸	اورنگ زیب کا قلعے پر قبضہ اور شاہ جہاں کی خدمت میں معذرت نامہ	۴۰
۱۹	اورنگ زیب کا باپ کے ساتھ حسن سلوک	۴۲

۲۰	مراد اور اورنگ زیب کے درمیان	۴۵
۲۱	شجاع کا معاملہ	۴۸
۲۲	داراشکوہ کا انجام	۵۰
۲۳	سیاسی لحاظ سے اورنگ زیب کے دارا کے ساتھ معاملے پر ایک نظر	۵۲
۲۴	دارا کے قتل کے شرعی وجوہات	۵۴
۲۵	آزاد خیال صوفیہ سے دارا کے روابط	۵۴
۲۶	دارا کے رہنماؤں کے عقائد و خیالات	۵۴
۲۷	میاں میر لاہوری	۵۵
۲۸	ملّا شاہ بدخشی	۵۵
۲۹	شاہ محب اللہ الٰہ آبادی	۵۷
۳۰	محسن فانی کشمیری	۵۹
۳۱	سرمد	۶۱
۳۲	میاں باری	۶۲
۳۳	سلیمان مصری قلندر	۶۳
۳۴	شاہ محمد دلربا اور شیخ طیب سرہندی	۶۴
۳۵	ہندو جوگیوں اور سنیاسیوں کی صحبت	۶۵
۳۶	آزاد مشرب صوفیہ اور جوگیوں کی صحبت کا نتیجہ	۶۹
۳۷	علمائے حق سے تنفر	۷۱
۳۸	اسلام کی ابدیت پر شبہ	۷۱
۳۹	کفر کی طرف پیش قدمی	۷۲
۴۰	اعتقادی کفریات	۷۳
۴۱	عملی کفر	۷۷
۴۲	کفر و اسلام کی جنگ	۷۸
۴۳	علماء کا اورنگ زیب کی حمایت کرنا اور جنگ میں شریک ہونا	۸۳

پیش لفظ

الحمد لله وحده والصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہٗ

چار سال ہوئے کہ ماہنامہ الفرقان کے دفتر میں حیدر آباد سے ایک سوال آیا کہ کیا واقعی اورنگ زیب نے شاہ جہاں کو معزول اور قید کیا تھا؟ اگر یہ صحیح ہے تو اس گستاخی کا کیا جواز تھا؟ کچھ علماء تو اس واقعہ کا انکار کر رہے ہیں۔ ذہن پریشان ہے، آخر حقیقت کیا ہے؟

الفرقان کے مرتب برادر معظم مولانا یحییٰ نعمانی ندوی نے ہم سے اس کا ذکر کیا اور ساتھ ہی یہ درخواست بھی کی اس کا مختصر یا مفصل جواب لکھیں، ہم نے کہا واقعی یہ سوال معقول اور تحقیق طلب ہے۔ اس پر سنجیدگی اور اطمینان سے غور کیا جانا چاہیے۔

اسی طرح بھائیوں کے قتل سے بھی اورنگ زیب کے ہاتھ رنگین ہیں اور اس خون کا دھبہ بھی اس کے دامن اوصاف کا بدنما داغ بن بن کر اُبھرتا رہتا ہے، اس کا بھی تفصیل سے مطالعہ کرنا چاہیے۔ اور پھر باپ اور بھائیوں کے معاملات اس طرح ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں کہ ان کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے اس پر بھی روشنی ڈالنا ضروری ہے۔

بہت سے لوگوں کا خیال بلکہ اصرار ہے کہ یہ اورنگ زیب کی صرف ایک سیاسی چال تھی، اس نے اپنے مقصد کے حصول کے لیے مذہب کو آڑ بنایا تھا؛ جب

کہ دوسرے کچھ لوگ یہ تأثر دیتے ہیں کہ اورنگ زیب چوں کہ نہایت جوشیلا اور متعصب مسلمان تھا، اس لیے اس نے یہ کارروائیاں کیں۔ یہ لوگ اورنگ زیب کے ہر عمل کو مذہبی تعصب کا رنگ دے کر اس کی نفرت انگیز شبیہ پیش کرتے ہیں؛ اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ اس تاریخ کا سنجیدہ مطالعہ کر کے حقائق پیش کیے جائیں۔

یہ مضمون پہلے الفرقان ہی میں دو قسطوں میں شائع ہوا (مارچ واپریل ۲۰۰۳ء) اس کا عنوان تھا ''اورنگ زیب عالم گیر کا باپ اور بھائیوں سے سلوک - سیاست وشریعت کی میزان میں'' اس کو لوگوں نے سراہا، اسی زمانے میں لکھنؤ کے ہندی روزنامہ ''اپنا اخبار'' نے بھی اس کا ہندی ترجمہ شائع کیا۔ اور معلوم ہوا کہ تیلگو میں بھی یہ شائع ہو چکا ہے۔ خدا بخش لائبریری جرنل (۱۳۳) نے جولائی - ستمبر ۲۰۰۳ء کے شمارے میں اس کو اہتمام سے شائع کیا۔

بعض اہل علم نے مشورہ دیا کہ دارا شکوہ کی مذہبی حالت کو ذرا پھیلا کر مزید تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے، اور بہت سے لوگوں نے تقاضا کیا کہ اس کو الگ سے شائع ہونا چاہیے۔ اس سے ہمت بندھی، اب نظر ثانی اور ترمیم واضافہ کے بعد اس کو کتابی صورت میں شائع کیا جارہا ہے، تاکہ اس کی افادیت عام ہو۔ اللہ اس کو نافع بنائے۔

۲۱/۴/۱۴۲۷ھ
۲۰/۵/۲۰۰۶ء

فیصل احمد ندوی
مدرس دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

اورنگ زیب عالمگیر

باپ اور بھائیوں کے معاملات
سیاست و شریعت کی میزان میں

اورنگ زیب کی شخصیت

حضرت محی الدین اورنگ زیب عالم گیرؒ نے ہندوستان کی سرزمین میں احیاے خلافتِ راشدہ کا جو عظیم الشان کارنامہ انجام دیا، اس کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا؛ یہاں تک کہ عربی کے مشہور ادیب شیخ علی طنطاوی ان کو ''سادس الخلفاء الراشدین'' (چھٹے خلیفہ راشد) کے نام سے یاد کرتے تھے۔ اس کو ہم تسلیم کریں نہ کریں، تاہم اس سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ خلافتِ راشدہ کے طرز پر حکومت کرنا چاہتے تھے؛ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ ان کی شخصیت بعض حیثیتوں سے متنازع فیہ رہی۔ متعدد ہندو اور انگریز مؤرخین نے ان کی ذات پر سخت سے سخت حملے کیے، اور ان کے کردار کو انتہائی بدنما کر کے پیش کرنے کی کوشش کی۔ غیرت مند مسلمان مؤرخین نے ان کی طرف سے دفاع کو اپنا فریضہ سمجھا؛ اس سمت علامہ شبلی نے سب سے پہلے قدم بڑھایا اور

اپنی مشہور کتاب ''اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر'' لکھ کر بیشتر اعتراضات کا منہ توڑ جواب دیا اور امتِ مسلمہ کی طرف سے فرض کفایہ ادا کیا۔ دیگر مؤرخین نے بھی اس سلسلے میں قابل قدر کوششیں کیں، جن میں مولانا سید نجیب اشرف ندوی کا کام سب سے نمایاں ہے۔ ان کی کتاب ''مقدمۂ رقعاتِ عالم گیر'' ایک بے نظیر علمی وتحقیقی کارنامہ ہے۔

انصاف پسند غیر مسلم مؤرخین کی نظر میں

اورنگ زیب کی مسخ کردہ تصویر اتنی بھیانک تھی کہ سنجیدہ اور غیر متعصب ہندو مؤرخین بھی چیخ اٹھے، اور انھوں نے اورنگ زیب کی صحیح تصویر پیش کرنا ملکی و وطنی حیثیت سے ضروری گردانا۔ بشمبھر ناتھ پانڈے تو اسی مشن کو لے کر اٹھے، انھوں نے بہت سے نئے حقائق واشگاف کیے(۱)۔ ان کے علاوہ اکھلیش جائسوال اور ڈاکٹر اوم پرکاش پرساد کا نام بھی خصوصیت سے لیا جاسکتا ہے: اول الذکر نے ''اورنگ زیب اور ہندوؤں کے ساتھ تعلقات''(۲) نامی کتاب لکھ کر اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی اور بے لاگ جائزہ لیا، تو مؤخر الذکر نے ''اورنگ زیب ایک نیا زاویۂ نظر''(۳) لکھ کر

(۱) اس سلسلے میں ان کی ایک کتاب کا اردو ترجمہ ''اورنگ زیب اور سلطان ٹیپو- مذہبی حکمتِ عملی کا تجزیہ'' کے نام سے شائع ہوا ہے۔ شائع کردہ: انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز، نئی دہلی-۲۵۔

(۲) اورنگ زیب کے ہندوؤں کے ساتھ تعلقات کے سلسلے میں ہندو مؤرخین کی آرا کے لیے ملاحظہ ہو: سید خورشید مصطفیٰ رضوی، تاریخ کی سچائیاں- اورنگ زیب اور ٹیپو سلطان ص ۵۳ تا ۵۸- دہلی، ۱۹۹۶ء۔ (۳) یہ دونوں کتابیں خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ نے شائع کی ہیں۔

ہندوستانی تاریخ کے دوسرے غیر مسلم حکمرانوں کے ساتھ موازنہ کرتے ہوئے اورنگ زیب کے اقدامات کو حق بجانب ٹھہرایا اور ان کی کارروائیوں کو ملکی مصلحت سے ضروری قرار دیا، اور ہندو مسلمانوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کی متعدد مثالیں دے کر بہت سے نئے گوشوں کا اضافہ کیا۔

اورنگ زیب کے باپ اور بھائیوں کے ساتھ سلوک کے سلسلے میں دو متضاد نظریات

مگر تمام اعتراضات سے قطع نظر جو چیز شرعی حیثیت سے مسلمان مؤرخین کے نزدیک سب سے زیادہ قابل اعتراض ٹھہرتی ہے، اور آج تک بعض حلقوں میں موضوعِ بحث بنی ہوئی ہے، وہ اورنگ زیب کا اپنے والد شاہ جہاں کو قید کرنا اور بھائیوں کو قتل کرنا ہے۔ آخری درجے کی دین داری کے ساتھ ان کے دامنِ اوصاف پر یہ بدنما داغ اول وہلے میں تو ایک مذاق معلوم ہوتا ہے، اور ذہن کسی طرح اس کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا، اور بالکل سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کی کیا حقیقت ہے؟ ان کا تدین، تفقہ اور شریعت کی پاسداری حدِ تواتر کو پہنچی ہوئی ہے، سخت سے سخت مخالفین بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں "والفضل ماشهدت به الأعداء" وہ ایسی ظالمانہ اور مجرمانہ کارروائی کیسے کر سکتے ہیں؟ اس لیے بعض نیک سرشت اور سادہ دل علماء نے

اس کا انکار ہی کر دیا کہ اورنگ زیب نے اپنے والد کو نظر بند کیا ہو، جیسا کہ مولانا سید محمد میاں صاحب نے کیا، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

عام طور سے یہی کہا جاتا ہے اور یہی مشہور کیا جاتا ہے کہ شاہ جہاں کو اورنگ زیب عالم گیر نے معزول کر کے قلعۂ آگرہ میں محبوس کر دیا۔

مگر اس کی حقیقت کو صرف رقعات یا فارسی کی نایاب تاریخوں کے مطالعہ کرنے والے ہی جانتے ہیں کہ معزول کرنے والا عالم گیر نہیں بلکہ خود دارا تھا (۴)۔

جب کہ شمس بریلوی جیسے بعض حضرات داراشکوہ کی بے جا حمایت میں اورنگ زیب کے پاکیزہ دامن کو داغ دار کرنے اور اس کے اقدام کو برخود غلط قرار دینے میں بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے (۵)۔

صحیح موقف

اس تناظر میں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم تاریخ کا حقیقت پسندی کے ساتھ بے لاگ جائزہ لیں، تاکہ ہمیں معلوم ہو کہ کس کا موقف صحیح ہے؟ چناں چہ ہم نے ایک فرض شناس تاریخ کے طالب علم کی طرح اس کا جائزہ لینے کی کوشش کی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے کسی فریق کا موقف صحیح

---

(۴) علماے ہند کا شاندار ماضی، جلد اول، ص: ۴۹۹، کتابستان، دہلی۔

(۵) ملاحظہ ہو اورنگ زیب خطوط کے آئینے میں (ترجمۂ رقعاتِ عالم گیر)، سوانح حیات ص ۳۵ تا ص ۵۸، نیز ص ۱۲ و ص ۲۷، مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی، ۱۹۷۰ء۔

نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اورنگ زیب ہی نے باپ کو قلعۂ آگرہ میں نظر بند کیا اور بھائیوں کو قتل کیا، اور جو کیا بالکل صحیح کیا، نہ سیاسی حیثیت سے انھوں نے کوئی غلطی کی اور نہ شرعی نقطۂ نظر سے ان کا اقدام غلط تھا، کوئی فیصلہ انھوں نے جلد بازی میں نہیں کیا۔ اگر وہ اس طرح نہ کرتے تو نہ صرف سیاسی لحاظ سے ایک کمزور اور ناکارہ حکمراں کی یادگار رہ جاتے، بلکہ شریعت کی نظر میں بھی مجرم قرار پاتے۔ یہ دعویٰ بلا دلیل نہیں، آیندہ تفصیلات سے اس کی حقیقت واضح ہوجائے گی۔

اورنگ زیب کی دینی حالت اور تعلیم وتربیت

اورنگ زیب ایک باکمال اور پختہ کار عالم تھے، اکابر علماء کی نگرانی میں علوم دینیہ: تفسیر، حدیث اور فقہ میں مہارت تامہ پیدا کی تھی، ملا جیون (متوفی ۱۱۳۰ھ) جیسے یگانۂ روزگار عالم کا نام عالم گیر کے اساتذہ میں آتا ہے(۶)۔

شریعت کے ساتھ طریقت میں بھی ان کا پایہ بہت بلند تھا، ۱۰۴۷ھ میں جب وہ بیس سال کے نوجوان تھے، حضرت مجدد الف ثانی کے صاحبزادہ و جانشین حضرت خواجہ محمد معصوم (متوفی ۱۰۷۹ھ) سے بیعت وارادت کا تعلق

---

(۶) تعلیم کے سلسلے میں تفصیل کے لیے دیکھیے: سید نجیب اشرف ندوی، مقدمۂ رقعات عالم گیر، ص: ۱۲۵تا۱۳۲، دارالمصنفین اعظم گڑھ۔

قائم کرلیا تھا(۷)۔آپ نے اپنے صاحبزادہ گرامی قدر حضرت خواجہ سیف الدین (متوفی ۱۰۹۶ھ) کو عالم گیر کے تزکیۂ نفس اور اصلاحِ حال کے لیے بھیجا، جنھوں نے وہاں مستقل قیام کرکے اورنگ زیب کی پوری تربیت کی اور اپنے والدِ بزرگوار کو اس سے مطلع کرتے رہے۔ دونوں کی مراسلت پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اورنگ زیب ولایت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہو چکے تھے، خواجہ محمد معصوم اورنگ زیب کو ''شہزادۂ دین پناہ'' کے لقب سے یاد فرماتے تھے تو خواجہ سیف الدین ''بادشاہ دین پناہ'' لکھا کرتے تھے(۸)۔ یہ ان اہل اللہ کی فراست ایمانی تھی جس نے دیکھ لیا تھا کہ عالم گیر مستقبل قریب میں ہندوستان کے بادشاہ ہوں گے اور ان کے دامن میں دین کو پناہ ملے گی اور یہ

---

(۷) دیکھیے مولانا سید زوار حسین شاہ: حضرت مجدد الف ثانی، ص:۷۰۷، ادارۂ مجددیہ، ناظم آباد، کراچی، ۱۹۸۳ء۔

(۸) مکتوبات معصومیہ، ۱۰/۲۴، ص:۱۷۹، مطبوعہ کراچی، ومکتوبات شریفہ (مکتوبات سیفیہ) ص:۱۱، اور بادشاہ بننے کے بعد حضرت خواجہ محمد معصوم، اورنگ زیب کو حـــضـــرت سلطان الاسلام، ظل الله تعالى على الأنام، باسط مهاد العدل والانصاف، هادم اساس الجور والاعتساف..... حضرت امیر المؤمنین أنار الله برهانه وغیرہ القاب سے یاد کرتے تھے، دیکھیے مکتوبات، ۳/۶، ص:۲۴، اور حضرت مجدد صاحب کے دوسرے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد سعید تو کئی کئی سطروں میں القاب لکھتے تھے، ایامِ شاہ زادگی میں انھوں نے جو القاب لکھے ہیں ان کو پڑھیے اور ان کی فراست ایمانی پر قربان جایئے:
حضرت ناصر الملت والدین مرفع الاسلام ومؤيد المسلمين۔ محی أنوار السنة البيضاء ماحی آثار البدعة الغبراء (مکتوبات سعیدیہ، ص:۱۴۵)
اور بادشاہ بننے کے بعد جو القاب لکھے ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں: (بقیہ اگلے صفحے پر)

ہندوستان میں اسلام کی بقا کا ذریعہ بنیں گے؛ بس اِسی لیے اُسی انداز سے انھوں نے عالم گیر کی تربیت کی جس کی مستقبل کے لیے ضرورت تھی۔

سلوک میں اورنگ زیب کا مطالعہ بڑا وسیع تھا۔ امام غزالی کی کتابوں سے انھیں خاص شغف تھا۔ انھوں نے بڑے ذوق وشوق سے احیاء العلوم اور کیمیاے سعادت کا مطالعہ کیا تھا(۹)۔

شریعت وطریقت کا ایسا جامع شخص اپنے والد کے ساتھ بغیر کسی شرعی جواز کے معمولی بدسلوکی بھی کرسکتا ہے، چہ جاے کہ قید میں ڈال دے! آگے

(بقیہ صفحۂ گذشتہ کا)...... حضرت امیر المومنین، ظل الله فی الارضین، رافع أعلام الشریعة الغرّاء، قامع بنیان البدعة الغبراء، مالك السلطنة القاهرة، کاسر اعناق الکفرة الأکاسرة، محی السنة والاسلام، رحمة الله علی الاَنام (مکتوبات سعیدیہ، مکتوب:۳۷، ص:۹۱-۹۲) نیز مزید القاب کے لیے دیکھیے، ۴۵/ص:۹۹، ۶، ۱۰۲/۴۶، ۶۵/ ۱۲۱ وغیرہ

ان القاب کو دیکھ کر کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ یہ حضرات بادشاہ کی قصیدہ خوانی کرنے والے اور ہاں میں ہاں ملانے والے تھے ان حضرات کے بارے میں اس کا تصور بھی گناہ کبیرہ سے کم نہیں کہ یہ بھی بدگمانی کے دائرے میں آتا ہے، یہ حضرات تو بادشاہ کی دین داری کے باوجود اس کی صحبت میں رہنا پسند نہیں کرتے تھے، اور نہ بلاضرورت شرعی اس کو جائز سمجھتے تھے، دین وسنت کی ترویج اور بدعات کے استیصال کے لیے وہ اسے بلاخوف وخطر اور بے جھجک پرزور خطوط لکھتے رہتے تھے، اور اس سلسلے میں کسی چیز کی پروا نہیں کرتے تھے۔ اس کی تصدیق کے لیے ان مکتوبات کا مطالعہ کیجیے جو ان مجموعوں میں بکھرے ہوئے ہیں، اور جن صاحبزادگان نے اورنگ زیب کی صحبت اختیار کی تھی، وہ اس کی تعلیم وتربیت اور اصلاح باطن کے لیے اور داراشکوہ کے الحاد کے اثرات کو زائل کرنے کے لیے تھی۔

(۹) دیکھیے عالم گیرنامہ ص ۱۰۹۱، از منشی محمد کاظم، ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ، ۱۸۶۸ء۔

معلوم ہوگا کہ اورنگ زیب کس درجے والد کا ادب واحترام ملحوظ رکھتے تھے، اس لیے ضرورت ہے کہ تاریخی روایات کی روشنی میں اور عقل وشریعت کی میزان میں اس کا جائزہ لیں، تاکہ حقیقت عالم آشکارا ہوجائے۔

دارشکوہ کے ساتھ شاہ جہاں کا جانب دارانہ برتاؤ

اہل علم جانتے ہیں کہ اورنگ زیب کی شاہ جہاں سے رنجش کا سبب اس کا بڑا بھائی داراشکوہ ہے؛ اس لیے اورنگ زیب کے اپنے باپ سے تعلقات کو سمجھنے کے لیے داراشکوہ کا تذکرہ ناگزیر ہے۔ شاہ جہاں کے چار لڑکے تھے: داراشکوہ، محمد شجاع، اورنگ زیب اور مراد بخش۔ داراشکوہ شاہ جہاں کا سب سے بڑا لڑکا تھا، اور متواتر تین لڑکیوں کے بعد بڑی تمناؤں اور دعاؤں سے پیدا ہوا تھا، اس لیے شاہ جہاں کو اس سے سب سے زیادہ پیار تھا۔ شاہ جہاں نے اپنے چاروں لڑکوں کو مختلف صوبے عطا کیے تھے۔ تین شہزادے تو روانہ ہوگئے اور انھوں نے اپنے اپنے صوبے کی باگ ڈور سنبھال لی، لیکن دارا کو اجازت تھی کہ خود جائے بغیر اپنے ملازمین کے ذریعے ان کا انتظام کرے۔ مناصب وانعامات کی اس پر ہر وقت بارش ہوتی رہتی تھی۔ دارا کے لڑکے اور ملازمین اپنے چچا کے ہم منصب وہم مرتبہ کردیے گئے تھے۔ دارا کے ملازمین کو بھی شاہی خطابات ملنے لگے تھے اور خود دارا کو حکومت کے کاروبار میں اتنا اقتدار واختیار حاصل ہوگیا تھا کہ وہ جس کے ساتھ جو رحم یا ستم کرنا چاہتا اس میں اس کا کوئی مزاحم نہ تھا، اس کو "شاہِ بلند

اقبال'' کا خطاب بھی ملا تھا، اور دربار میں مغل روایات کے خلاف، تخت کے قریب اس کے لیے سونے کی کرسی بھی رکھی گئی تھی، جس پر بیٹھ کر وہ امراء کی کورنشوں کو قبول کرتا اور تمام سرکاری کاغذات کا مطالعہ کرتا تھا (۱۰)۔

گویا شاہ جہاں دارا شکوہ کے ساتھ اس خاص امتیازی سلوک سے امرائے دولت پر واضح کر دینا چاہتا تھا کہ دارا ہی اس کا جانشین ہوگا؛ حالاں کہ شاہ جہاں کو اس کی کمزوریوں کا علم تھا، مگر کورانہ محبت تھی جس کی وجہ سے شاہ جہاں کو اس کا ہر عیب ہنر اور دوسروں کی ہر خوبی خامی نظر آتی تھی۔

اپنے بیٹوں کے بارے میں شاہ جہاں کی رائے

خود ایک دفعہ اپنے بیٹوں کی نسبت اس نے کہا تھا:

بعضے اوقات اندیشہ بخاطر راہ می یابد کہ مہین پور خلافت اگر چہ اسبابِ شان وشوکت وسامانِ تجمل وصولت ہمہ دارد، لیکن عدوِ نیکواں و دوستِ بداں واقع شدہ ع: با بدان نیک و بد بہ نیکاں ست

شجاع غیر از سیر چشمی وصفے ندارد، و مراد بہ اکل و شرب ساختہ دائم الخمر ست۔ فلاں .... ذی عزم و مآل اندیش بنظر می آید، اغلب کہ امر خطیر ریاست تواند شد (۱۱)۔

---

(۱۰) دیکھیے مقدمۂ رقعات عالم گیر، ص: ۳۵۰۔

(۱۱) رقعات عالم گیری ص ۲۳-۲۴، رقعہ ۵۴ مطبع نامی لکھنؤ، ۱۳۱۹ھ/ ۱۹۰۱ء۔ حمید الدین خاں نے احکام عالم گیری میں بھی اس کا ذکر کیا ہے، دیکھیے احکام عالم گیری، ص: ۳۳ (اردو ترجمہ) مکتبہ الحسنات دہلی، ۲۰۰۵ء۔

بعض وقت خیال ہوتا ہے کہ بڑا لڑکا (یعنی داراشکوہ) شان وشوکت اور تجمل وصولت کے اسباب وسامان بہت کچھ رکھتا ہے، لیکن نیکوں کا دشمن اور بروں کا دوست واقع ہوا ہے، شجاع میں سیر چشمی کے سوا کوئی وصف نہیں ہے، اور مراد کھانے پینے کا شوقین اور دائم الخمر ہے، مگر فلاں یعنی عالم گیر صاحبِ عزم اور مآل اندیش نظر آتا ہے۔ غالب خیال یہ ہے کہ وہ ریاست وسلطنت کے بارگراں کو اٹھا سکے گا۔

اس احساس اور حقیقت کے ادراک کے باوجود شاہ جہاں کا دارا کی حمایت کیے جانا کہاں تک جائز اور مبنی برانصاف قرار دیا جا سکتا ہے!!

داراشکوہ کی افتادِ طبیعت

اس بے جا محبت وحمایت نے دارا کو انتہائی خودسر، خودرائے، خودپسند اور خودبیں بنا دیا تھا۔ ڈاکٹر برنیر، داراشکوہ کا گہرا دوست تھا اور اس نے سخت مصیبت کی حالت میں داراشکوہ کا ساتھ دیا تھا، اورنگ زیب اور دارا کی جنگ کے ایام میں وہ دارا کے لشکر میں بحیثیت طبیب کام کرتا تھا۔ دوسرے مؤرخین کا بیان جانب داری پر محمول کیا جا سکتا ہے، اس لیے ہم ڈاکٹر برنیر ہی کا ایک اقتباس نقل کرتے ہیں، جس سے دارا کی شخصیت کے خط وخال پر پوری روشنی پڑتی ہے۔ وہ داراشکوہ کی ذاتی خوبیاں بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

مگر بہ ایں ہمہ وہ بڑا ہی خودپسند اور خودرائے تھا، اور اس کو

یہ گھمنڈ تھا کہ میں اپنی عقل کی رسائی اور خوش تدبیری سے
ہر امر کا بندوبست اور انتظام کر سکتا ہوں، اور کوئی بشر ایسا
نہیں جو مجھے صلاح و مشورہ دے سکے۔ وہ ان لوگوں سے
جو اس کو ڈرتے ڈرتے کوئی صلاح دینے کی جرأت
کر بیٹھتے تھے تحقیر اور اہانت سے پیش آتا تھا؛ چناں چہ اس
ناپسندیدہ سلوک ہی کے سبب سے اس کے دلی خیر خواہ
بھی اس کے بھائیوں کی پوشیدہ اور مخفی بندشوں سے اسے
آگاہ نہ کر سکے۔ وہ ڈرانے اور دھمکانے میں بڑا تیز تھا،
یہاں تک کہ بڑے بڑے امرا کو برا بھلا کہہ بیٹھتا اور ان
کی ہتک کر ڈالتا تھا (۱۲)۔

ایک دوسرا انگریز مورخ لین پول لکھتا ہے:

وہ کمزور اور غیر مستقل مزاج آدمی تھا۔ وہ بادشاہ سے زیادہ اچھا شاعر
یا فلسفی بن سکتا تھا (۱۳)۔

اور منوکی کے مطابق: وہ اپنی خودسری کی وجہ سے کسی کو بخشتا نہ تھا۔ کسی
نے اس کے خلاف ایک حرف زبان سے نکالا تو وہ سرِ دربار اس کو ذلیل و رسوا

---

(۱۲) برنیر کا سفر نامۂ ہند، ص: ۵۹، از ڈاکٹر فرانسیس برنیر، ترجمہ وحواشی: خلیفہ محمد حسین، تخلیقات، لاہور، ۲۰۰۰ء۔

(۱۳) دیکھیے: عالم گیر غازی از پیر زادہ سید عزیز حسن صاحب بقائی، ص: ۱۶ (بحوالہ لین پول، ص ۲۰)۔ مطبوعہ اتحاد پرنٹنگ ورکس دہلی (مطبوعات اسلامیہ دار الاشاعت دہلی) ۱۹۳۰ء۔

کر دیتا تھا۔ بڑے بڑے امراء اس کی تند خوئی اور بد مزاجی سے نالاں تھے، بہ ایں ہمہ اسے یہ خوش فہمی تھی کہ ہر شخص اس کا احترام کرتا ہے (۱۴)۔

شاہ جہاں کو خود اس بات کا علم تھا اور وہ وقتاً فوقتاً دارا شکوہ کو تنہائی میں سمجھاتا بھی رہتا تھا؛ مگر جب اس نے دیکھا کہ دارا پر اس کی نصیحت کا کوئی اثر نہیں، اور وہ امرا کو برابر ناخوش کرتا رہتا ہے، اور اس کے مقابلے میں سب کے تعلقات اورنگ زیب سے اچھے ہیں، تو اس نے بجاے اس کہ دارا کو سمجھاتا، اورنگ زیب ہی کو یہ سمجھانا شروع کیا کہ تم شہزادہ ہو کر ہر شخص سے جو مساویانہ طریقے سے ملتے ہو، یہ غلط ہے۔ اورنگ زیب کو اس کے جواب میں قرآن کی آیتیں اور حدیثیں پیش کر کے اپنے موقف کو درست قرار دینا پڑا (۱۵)۔

مگر دارا شکوہ کی کورانہ محبت کی وجہ سے شاہ جہاں کسی بات کو ٹھنڈے دل سے سوچنے کے لیے تیار نہیں تھا، اس نے دارا کو اس کے صوبوں میں جانے نہ دے کر بھی بہت بڑی غلطی کی۔ اس کا یہ عمل دارا کو انتہائی ناکارہ بنا رہا تھا۔ اس کا نتیجہ بہ الفاظِ سید نجیب اشرف ندوی یہ ہوا کہ خوشامدیوں کی جماعت میں گھر کر وہ ایک بیکار سا آدمی رہ گیا، نہ اس کو ملک کی حالت کا اندازہ تھا، نہ فوج سے اس کو کوئی واسطہ تھا،

---

(۱۴) دیکھیے دارا شکوہ اپنی نگارشات کے آئینے میں، ص: ۴۹ (بحوالہ منو کی ص: ۲۲۲) از ڈاکٹر عبدالرب عرفان، واصف پبلی کیشنز، کامٹی، ناگپور، ۲۰۰۰ء۔

(۱۵) دیکھیے مقدمۂ رقعات عالم گیر، ص: ۳۵۴۔

اور نہ امرا اور سرداروں سے ہی اس کے تعلقات خوشگوار تھے۔ قندھار کے دوسرے (۱۶) محاصرے کے سلسلے میں اس نے جو مضحکانہ حرکتیں کی ہیں، جس طرح مغل حکومت کے لاکھوں روپوں اور ہزاروں عزیز جانوں کو اپنی غیر مدبرانہ مرضی کے بھینٹ چڑھایا ہے، وہ اس بات کو صاف ظاہر کر رہی ہیں کہ وہ کوئی بلند اخلاق کا آدمی نہیں، نہ اس میں مردانہ ہمت ہے جو موت کے سامنے بھی انسان کو ہنساتی رہتی ہے؛ اس غریب نے آج تک ایک بات بھی اپنی مرضی کے خلاف ہوتے نہیں دیکھی تھی؛ اسے انسانی فطرتوں کے تضاد کا کوئی علم نہ تھا، وہ مصائب و آلام سے یکسر نا آشنا تھا، وہ راحت کی گود میں پلا، آرام طلبی کے آغوش میں بڑھا اور اطمینان کے پہلو میں بیٹھا اپنے بے سروپا خیالات کی تبلیغ میں مگن تھا (۱۷)

تو کیا دارا شکوہ ایسا خود سر، تند خو، بد مزاج اور امورِ سیاست سے نا آشنا، سلطنت کے بارِ گراں کا متحمل ہو سکتا تھا! اس لیے اگر صرف اس وجہ سے بھی اورنگ زیب دارا شکوہ سے لڑ کر حکومت حاصل کرتا اور اس سلسلے میں دارا کی حمایت کی وجہ سے شاہ جہاں کی فہمایش کرنی پڑتی، تو ملکی مفاد کے تناظر میں اس کا یہ اقدام مستحسن قرار پاتا اور اس کی ستایش ہی ہوتی۔

---

(۱۶) مقدمۂ رقعات عالم گیر میں یہاں دوسرے کے بجائے تیسرے ہے۔ غالباً یہاں نجیب اشرف ندوی صاحب سے سہو ہوا ہے، اس لیے کہ قندھار کے دو ہی محاصرے مشہور ہیں، اور دارا کی یہ حرکتیں دوسرے محاصرے کے موقع ہی پر تھیں، اس کی تفصیل کے لیے دیکھیے مقدمۂ رقعات عالم گیر، ص: ۱۷۹-۱۹۴، نیز ۳۷۲-۳۷۸۔

(۱۷) ایضاً، ص: ۳۵۵۔

داراشکوہ کا دوسرے بیٹوں سے شاہ جہاں کو بدظن کرنا

مگر بات اتنی ہی نہیں بلکہ شاہ جہاں کی کمزوری اور انتہائی کورانہ محبت سے فائدہ اٹھا کر داراشکوہ نے دوسرے بیٹوں سے شاہ جہاں کو بدظن کرنا شروع کر دیا۔ وہ جس بھائی کو جتنا خطرناک سمجھتا اتنی ہی اس سے دشمنی کرتا۔ چوں کہ اورنگ زیب خوبیوں اور کمالات میں سب سے بڑھا ہوا تھا، اس کی اولوالعزمی، اس کی سیاست دانی، اس کی شجاعت و بہادری اور اس کے فہم وفراست اور عقل ودانش کے چرچے تھے، اس کی مذہب پرستی اور دین کی پاسداری زبان زدِ خاص وعام تھی، اس کی وسعتِ اخلاق نے اسے امیر وغریب، رئیس وفقیر، عالم وجاہل اور رند وصوفی سب کا ہیرو بنا دیا تھا؛ اس کی ہر دل عزیزی میں روز افزوں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اس کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کو دارا اپنے لیے چیلنج تصور کرتا تھا، اس لیے وہ اس کا حریف بن گیا۔ اس کو نیچا دکھانے اور رسوا اور فضیحت کرنے کی مسلسل کوششیں کرتا رہا، اور اس کے لیے ہر تدبیر آزمائی۔ اس سلسلے میں اس سے جو خفیف حرکتیں سرزد ہوئیں وہ تنگ ظرف سے تنگ ظرف شخص سے بھی صادر نہیں ہوسکتی تھیں، چہ جائے کہ کوئی شریف زادہ اپنے بھائی کے لیے اس کا تصور بھی کر سکے! تفصیل کی یہاں گنجایش نہیں۔ پروفیسر سید نجیب اشرف ندوی نے ''مقدمۂ رقعات عالم گیر'' (۱۸) میں اور رشید اختر ندوی نے اپنی کتاب

---

(۱۸) دیکھیے: ص: ۱۵۶-۱۶۱ و ص: ۳۷۱-۳۷۸۔

''اورنگ زیب'' (۱۹) میں اس کا تفصیل سے جائزہ لیا ہے۔

اورنگ زیب سے شاہ جہاں کی بدظنی

داراشکوہ کے جال میں پھنس کر شاہ جہاں اورنگ زیب سے اس حد تک بدظن ہوگیا کہ چھوٹی چھوٹی اور حقیر باتوں تک کی شکایت کرنے لگا جو ایک مطلق العنان شہنشاہ کیا، کسی طرح ایک امیر یا رئیس کے لیے بھی زیب نہیں دیتیں، مگر شاہ جہاں کو دارا کی محبت اور اورنگ زیب سے بدظنی کی وجہ سے اپنے مقام کا بھی ہوش نہیں رہا اور وہ بہت نیچے اتر آیا۔ تصور کیجیے: ایک نہایت وسیع سلطنت کا شہنشاہ ہے، ہر چیز اس کے پاس مہیا ہے، مگر وہ عالم گیر سے صرف اس بنا پر ناراض ہوتا ہے اور اس کو سخت عتاب کرتا ہے کہ وہ اس کی پسند کا آم نہ بھیج سکا (۲۰)۔

اسی ایک واقعے سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ شاہ جہاں کتنی حقیر باتوں پر اورنگ زیب کی گرفت کرنے لگا تھا۔

اورنگ زیب کی فرماں برداری و سعادت مندی

مگر اس کے باوجود عالم گیر معذرت والا رویہ ہی اختیار کرتا رہا، اور حقوقِ پدری کو پوری طرح ملحوظ رکھتا رہا، مثلاً اسی خط میں جو آم کی شکایت کے

---

(۱۹) دیکھیے: ص: ۶۷-۷۵، احسن برادرس، لاہور، ۱۹۵۵ء۔

(۲۰) دیکھیے رقعات عالم گیر مرتبہ و مصححہ سید نجیب اشرف ندوی، ۶۰/۴، ص ۱۰۸، دار المصنفین اعظم گڑھ، سنہ ندارد، نیز دیکھیے مقدمۂ رقعات، ص: ۲۲۲۔

جواب میں ہے، لکھتا ہے: ''ہر چہ بخاطرِ ملکوت ناظر اعلیٰ حضرت کہ مرأتِ حقائق نما است پر توِ صواب می اندازد، و بے حکمت نخواہد بود'' اور اختتام میں ہے ''آفتابِ عالم تابِ خلافت از مطلعِ شوکت وابہت تاباں بماناد''

اورنگ زیب ایک ایک خط میں کئی کئی دفعہ آدابِ شاہی اور حقوقِ پدری کا اعادہ کرتا تھا، مثلاً صرف ایک خط (۲۱) میں پہلے پورے آداب والقاب تحریر کرنے کے بعد بیچ میں مخاطب کرتا ہے ''پیرِ دستگیر و مرشدِ صافی ضمیر سلامت'' پھر چند سطروں کے بعد: ''مرشد مرید نواز سلامت'' پھر آگے اسی خط میں: ''قبلہ و کعبۂ مریداں سلامت، قبلۂ آمال و کعبۂ آمانیِ جہانیان سلامت'' اور اختتام ان الفاظ پر کرتا ہے: ''آفتابِ عالم تابِ خلافت از افقِ عظمت وحشمت طالع ولامع بماناد''۔

ایسے دسیوں خطوط ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اورنگ زیب اپنے باپ کا کس درجہ احسان شناس، مطیع وفرماں بردار، ان کے جذبات کا خیال رکھنے والا اور ان کے تقاضوں کو پورا کرنے والا تھا۔ اخیر تک والد کے ساتھ ایک فرماں بردار اور سعادت مند بیٹے جیسا معاملہ کرتا رہا؛ مگر شاہ جہاں شروع سے اورنگ زیب کے ساتھ جانب دارانہ بلکہ ظالمانہ سلوک کرتا رہا۔

۱۰۵۴ھ مطابق ۱۶۴۴ء کی ابتدا میں جب اورنگ زیب اپنی بہن جہاں آرا کی عیادت کو آیا تھا، جب وہ بری طرح آگ سے جھلس گئی تھی، تو شاہ جہاں نے

(۲۱) رقعات عالمگیر ۶، ۶۲، ص: ۱۱۱-۱۱۲۔

اس کو بلاوجہ دکن کی نظامت سے معزول کیا تھا، اگرچہ جہاں آرا کی سفارش پر پھر بحالی ہوگئی تھی۔ پھر اسی کے قریب زمانے میں گولکنڈہ کے خلاف فوجی کارروائی کے موقع پر شاہ جہاں اورنگ زیب سے کیے وعدے سے صاف پھر گیا تھا۔ اس وقت شاہ جہاں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اس جنگ میں جو ''جواہر وافیال'' ملیں گے وہ سرکاری ملکیت ہوں گے، اور جو نقد وصول ہوگا وہ اورنگ زیب کا حق ہوگا۔ چناں چہ اورنگ زیب نے اسی وعدے پر بھروسا کرکے دوسروں سے روپیہ قرض لے کر جنگ کے اخراجات برداشت کیے؛ لیکن جب لڑائی ختم ہوگئی، تو شاہ جہاں نے اس خیال سے کہ اورنگ زیب نے لامعلوم بیش قیمت تحائف قطب الملک سے لیے ہیں اور ان کی اطلاع تک نہیں دی ہے، لکھا کہ ''نقد وجنس جو کچھ ملا ہے سب کا سب سرکاری خزانے میں داخل کردیا جائے''۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اورنگ زیب تقریباً بیس لاکھ کا مقروض ہوگیا۔ شاہ جہاں نے اتنا ہی نہیں کیا، بلکہ اورنگ زیب کی خدمات کے صلے میں اس کے پاس یہ خط بھیجا کہ تمھارے پاس تحفے کے طور پر جو کچھ ہے، اس کو تم فوراً دربار میں بھیج دو۔ اس کے جواب میں اورنگ زیب نے وہ تمام چیزیں جو اسے اور اس کے بیٹے کو ملی تھیں، بادشاہ کے پاس بھیج دیں۔ یہ خرابی یہیں آکر ختم نہیں ہوئی، بلکہ اس کا اثر اورنگ زیب کی ذات سے گذر کر اس کے انتظامِ مملکت پر پڑنے لگا۔ بیجاپور اور گولکنڈہ کے حکمرانوں اور دوسرے لوگوں نے جب دیکھا کہ اورنگ زیب کا نہ تو دربار میں کوئی اثر ہے

اور نہ اس کی کسی بات ہی کی شنوائی ہوتی ہے، تو وہ بھی اورنگ زیب کے احکام سے سرتابی کی جرأت کرنے لگے۔ اس واقعے کا مفصل تذکرہ کرنے کے بعد مولانا سید نجیب اشرف ندوی لکھتے ہیں:

ایسی حالت میں اگر شاہ جہاں کا کوئی دوسرا لڑکا ہوتا تو شاید اس سے یہ ذلت ورسوائی برداشت نہ ہوسکتی، مگر یہ اورنگ زیب کا کلیجا تھا کہ اس نے ایک مطیع وفرماں بردار لڑکے اور ایک اطاعت گزار سعادت مند بھائی کی طرح باپ اور بھائی کی ہر قسم کی چالوں کو دیکھا، ان کے مظالم سہے، ان کی سازشوں کا شکار ہوا، لیکن پھر بھی اس نے کوئی مخالف کارروائی نہیں کی، اپنے فرض سے غافل نہیں رہا، اور نہ اس نے کوئی سخت خط ہی لکھا، جب وہ بہت گھبرا جاتا ہے تو اپنے ایک دوست وغم خوار کو صرف اس قدر لکھتا ہے کہ:

"شاید شب ماہم سحرے داشتہ باشد" (۲۲)۔

لیکن اورنگ زیب کی طبیعت بہت زچ ہوگئی تھی، اور اس نے کاروبارِ دنیا سے علاحدگی اور خلوت گزینی کا ارادہ کرلیا تھا (۲۳)۔ اور بعض موقعوں پر استعفا بھی بھیج دیا تھا۔ جہاں آرا کے نام اس کے بعض خطوط سے بھی اس کی بے چینی اور اضطراب کا اندازہ ہوتا ہے (۲۴)۔

---

(۲۲) مقدمۂ رقعات عالم گیر، ص: ۳۰۶۔

(۲۳) ملاحظہ ہو عمل صالح موسوم بہ شاہ جہاں نامہ، جلد دوم، ص: ۳۳۷، از محمد صالح کنبوہ، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۷ء۔

(۲۴) مثلاً دیکھیے: رقعات عالم گیر، ۲۷/۱۵۹، ص: ۲۴۹-۲۵۲۔

اورنگ زیب کے ساتھ دارا شکوہ کا معاندانہ رویہ

غرض یہی حالات تھے کہ ۷/ذی الحجہ ۱۰۶۷ھ مطابق ۶/ستمبر ۱۶۵۶ء کو شاہ جہاں کی علالت کا آغاز ہوا اور وہ حبس البول کے عارضے میں گرفتار ہو کر کاروبارِ سلطنت سے معذور اور زندگی سے مایوس ہو گیا۔ تین شہزادے تو اپنے اپنے صوبوں میں مصروف تھے، ان کو کوئی خبر نہ تھی، لیکن دارا شکوہ شاہ جہاں کے ساتھ ہی رہتا تھا، اس نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، زمامِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی اور سب سے پہلا کام یہ کیا کہ شجاع، عالم گیر اور مراد بخش کے جو سفراء دربار میں تھے، ان سے مچلکا لیا کہ دربار کی کوئی خبر بھیجنے نہ پائیں۔ اس کے ساتھ بنگال، گجرات اور دکن کے راستے بھی بند کرا دیے، کہ مسافر آنے جانے نہ پائیں، جن کے ذریعہ کوئی خبر وہاں پہنچ جائے۔ اسی اثنا میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ شاہ جہاں کا انتقال ہو گیا ہے، اور دارا اپنی مصلحت کی وجہ سے اسے پوشیدہ رکھے ہوئے ہے۔ اس نے افواہ کی تردید کی، مگر جو طرزِ عمل اختیار کیا، وہ اس کو یقینی بنا رہا تھا، اور ساتھ ساتھ سیاسی امور سے اس کی یکسر ناواقفیت کو بھی بتا رہا تھا، اس نے امراء کو بادشاہ کی خواب گاہ میں داخل ہونے سے منع کر دیا، جس سے ان کو موت کا یقین ہو گیا۔

عالم گیر اس زمانے میں شاہ جہاں کے حکم سے گلبرگہ کے محاصرے میں مصروف تھا، اور فتح یقینی تھی؛ دارا شکوہ نے ایک بار پھر اورنگ زیب کی اس

نازک حالت میں طاقت توڑنے کی خسیس حرکت کی اور شاہی فوجوں کو دکن سے بلالیا، تاکہ اورنگ زیب کی قوت کا خاتمہ ہوجائے اور وہ قتل یا گرفتار کر کے بے دست و پا کردیا جائے۔ واقعات عالمگیری کا مصنف لکھتا ہے:

اسی اثنا میں دو قطعے درگاہِ عالم پناہ (شاہ جہاں) کی طرف سے داراشکوہ کے حسبِ التماس، مہابت خاں کے نام صادر ہوئے کہ تمام راجپوتوں کو لے کر شہزادہ (اورنگ زیب) کی اجازت کے بغیر روانہ ہوجائے (۲۵)۔

اس نے اسی پر بس نہیں کیا، بلکہ اورنگ زیب کے وکیل کو نظر بند کر کے اس کا گھر بھی ضبط کرلیا۔ مستعد خاں ساقی نے لکھا ہے کہ "عیسیٰ بیگ وکیل سرکار (اورنگ زیب) را بے صدورِ جرمے محبوس ساختہ، بہ ضبطِ اموال وامتعۂ او فرمان دادند" (۲۶)۔

شاہ جہاں کے بارے میں تشویشناک خبروں کی وجہ سے تینوں بیٹوں: شجاع، مراد اور اورنگ زیب نے باپ کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی، دارا شکوہ کو خط لکھا کہ ہم افواہوں سے پریشان ہیں، صرف زیارت کے لیے حاضری چاہتے ہیں، اور انھوں نے یہ وعدہ بھی کیا کہ دیکھ کر امن سے واپس جائیں گے؛ لیکن داراشکوہ نے اس میں بھی مزاحمت کی (۲۷)۔

---

(۲۵) واقعات عالمگیری، از عاقل خاں رازی، ص ۱۳ (قلمی) مخزونہ کتب خانہ علامہ شبلی نعمانی، ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ (۲۶) مستعد خاں ساقی، مآثر عالمگیری، ص: ۴، مطبوعہ کلکتہ۔

(۲۷) Sarkar: History of Aourangzib, Vol. I, P: 290, Calcutta, 1925.

اسی کے ساتھ مہاراجہ جسونت سنگھ والیِ جودھپور کو فوج اور توپ خانہ دے کر عالم گیر کے مقابلے کے لیے روانہ کیا کہ اگر وہ اپنی جگہ سے حرکت کرے تو اس سے جنگ کرنا۔

شاہ جہاں کے انتقال کی خبر اور بیٹوں کے اقدامات

دارا شکوہ کے ان غیر دانشمندانہ اقدامات اور انتہائی ناعاقبت اندیشانہ احکام سے ملک میں ابتری پھیل گئی، اور یہ افواہیں گشت کرنے لگیں کہ شاہ جہاں یا تو اس دنیاے فانی سے رخصت ہو چکے ہیں، یا دارا شکوہ نے ان کو قید کر دیا ہے۔ انھی احتمالات کی وجہ سے شجاع نے بنگال میں اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا اور فوج لے کر آگرہ کی طرف بڑھا۔ مراد بخش نے گجرات میں خطبہ و سکہ بھی جاری کر دیا اور غصے سے مغلوب ہو کر اپنے ایک بہترین دیوان علی نقی کو قتل کر ڈالا، اور اپنی قلمرو سے آگے بڑھ کر سورت پر حملہ بھی کر دیا اور بندرگاہ کو خوب لوٹا؛ مگر عالم گیر نے کسی قسم کی خودسری نہیں کی۔ باوجود یہ کہ مراد نے بار بار اورنگ زیب کو آمادہ کرنے کی کوشش کی، مگر وہ انتہائی متحمل المزاج، بردبار اور اپنے باپ کا نہایت مطیع و فرماں بردار تھا، اس لیے اس نے یہ حرکت نہیں کی؛ اس لیے کہ اگر بادشاہ سلامت بقیدِ حیات ہیں تو باپ کے خلاف بغاوت ہوگی، جس کا اورنگ زیب جیسا فرماں بردار بیٹا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا، چناں چہ اس نے مراد کو سمجھایا اور یہ عریضہ اس کے پاس بھیجا،

اور شجاع کو بھی اس سے مطلع کیا:

مانیز برائیم کہ تا مخالف خود را جمع نہ کردہ، بہ او باید پرداخت، اما چوں خبر وقوعۂ ناگزیر تا حال نرسیدہ، و روز بروز آثارِ صحت ظاہر می شود، از جاے خویش حرکت کردن و بہ اظہارِ بعض مراتب پرداختن مناسب نمی نماید (۲۸)۔

یعنی ہماری رائے یہی ہے کہ مخالف (دارا) کے سنبھلنے سے پہلے اس کو سمجھ لینا چاہیے، لیکن وقوعۂ ناگزیر یعنی شاہ جہاں کے انتقال کی ابھی خبر نہیں آئی ہے، بلکہ روز بروز صحت کے آثار ظاہر ہوتے جا رہے ہیں، اس لیے اس وقت اپنی جگہ سے ہلنا اور بعض ضروری کارروائیوں کی طرف متوجہ ہونا مناسب نہیں ہے۔

اورنگ زیب نے آخری حد تک کوشش کی کہ اس کی کوئی حرکت باپ کی دل آزاری کا باعث نہ بنے؛ مگر جب اس نے دیکھا کہ دارا کی فوجیں اکبر آباد سے روانہ ہو چکی ہیں اور بس میدان میں پہنچنے ہی والی ہیں تو اس پر اپنا دفاع ہر لحاظ سے ضروری تھا؛ چنانچہ اس نے کوچ کیا اور یہ فیصلہ کیا کہ مراد کے ساتھ مل کر رہے اور دارا شکوہ کو ہرگز کامیاب نہ ہونے دے۔ جادو ناتھ سرکار نے خود لکھا ہے جو اورنگ زیب کو بدنام کرنے کے کسی موقع کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے: واقعات جن کو وہ کسی صورت سے روک نہیں سکتا تھا جلد پیش آنے والے تھے اور اگر اسے جلد تباہی سے بچنا تھا تو وہ کوچ کرنے پر مجبور تھا (۲۹)۔

---

(۲۸) رقعات عالم گیر، ۲/۱۶۳، ص: ۲۵۶۔

(۲۹) Sarkar: History of Aourangzib, Vol. I, P: 313.

اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اورنگ زیب نے کتنی احتیاط سے کام لیا اور جنگ سے بچنے کی کس حد تک کوشش کی! علامہ شبلی لکھتے ہیں:

واقعاتِ مذکورہ کے ثابت ہونے کے بعد اب سوال یہ ہے کہ آغازِ کارروائی سے اخیر تک داراشکوہ اور عالم گیر دونوں میں سے کون تقصیروار ہے۔ خبروں کا روکنا، عالم گیر کے وکلاء کا نظر بند کرنا، عالم گیر کی جاگیر کا ضبط کرنا، عین جنگ کی حالت میں عالم گیر کے امراء اور فوج کا اس کے پاس سے بلوالینا، مہاراجہ جسونت سنگھ کو عالم گیر کے مقابلے پر مامور کرنا، کیسے افعال ہیں، اور کیا ان میں سے کسی فعل کے جائز ہونے کی کوئی وجہ بتائی جا سکتی ہے!!(۳۰)۔

شاہ جہاں کی حالت ''مردہ بدستِ زندہ'' کی تھی، وہ بڑھاپے اور بیماری کی وجہ سے بے بس تھا؛ گویا پوری طرح داراشکوہ کے قبضے میں تھا۔ اورنگ زیب نے اس کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:

اوخود را باعدمِ استحقاقِ شائستہ فرماں روائی دانستہ مربی وولیِ نعمت را معزولِ مطلق ساختہ (۳۱)۔

دارا نے بغیر کسی استحقاق کے اپنے آپ کو حکومت کا حق دار سمجھ کر اپنے مربی اور ولیِ نعمت کو معزول و معطل کر دیا تھا۔

مراد نے داراشکوہ کو ایک انتہائی طنز آمیز خط لکھا ہے، جس کے الفاظ

---

(۳۰) اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر، ص:۸۲، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۱۹۹۹ء۔
(۳۱) رقعات عالم گیر، ۱/۱۲۴، ص:۲۱۲۔

یہ ہیں:

زہے خلف الصدق سعادت مند کہ پدرِ عالی قدر را کہ بہ توجہات وتفضلاتِ آں حضرت کامروائیِ سلطنت باشد، بقید درآوردہ برادرِ بجاں برابر را بسان دشمنِ جانی کمر بجاں ستانی بر بستہ، بے نام ونشان سازد، سوائش برعلانیہ ایں است کہ ایں ہمہ علاماتِ سعادت جاودانی است، وچوں استخلاصِ پدر والا قدر برذمتِ ما اہمِ مآرب است، بناء علیہ پنبۂ غفلت از گوش برآوردہ وسامان وسرانجام تیار نمودہ آمادۂ جنگ باشید، ومارا عنقریب بر جناح استعجال رسیدہ دانید (۳۲)

ایسے خلف الصدق سعادت مند سپوت کے کیا کہنے؛ جس نے ایسے عالی قدر باپ کو جن کی توجہات اور احسانات کے طفیل سلطنت کا کاروبار سنبھال رکھا ہے، قید میں ڈال کر اپنے بھائی کو جو جان کے برابر عزیز ہونا چاہیے تھا، اپنا جانی دشمن سمجھ کر اس کی جان لینے کے درپے ہوا ہے، اور اس کو بے نام ونشان کرنا چاہتا ہے اور یہ ظاہر کیا جارہا ہے کہ یہ سب والد محترم کی خدمت ہے اور سعادتِ جاودانی کی علامت ہے! چوں کہ والد محترم کا چھڑانا ہمارے ذمے سب سے اہم اور ضروری کام ہے؛ اس لیے ہوش میں آجاؤ اور جنگ کے لیے تیار رہو، اور سمجھو کہ ابھی پہنچا چاہتے ہیں۔

انھی جیسی عبارتوں سے مولانا محمد میاں صاحب کو غلط فہمی ہوئی، یا

(۳۲) رقعات عالم گیر، ا/ ۲۲۷، ص: ۳۴۹۔

دوسرے لفظوں میں انھوں نے اپنی دانست میں اورنگ زیب کی حمایت سمجھ کر ان عبارتوں سے یہ نتیجہ نکالا کہ قید عالم گیر نے نہیں، بلکہ دارا شکوہ نے کیا تھا؛ مگر یہ حقیقت کے خلاف ہے۔ ظاہر ہے کہ پہلا خط اورنگ زیب کا شاہ جہاں کے نام ہے جس میں وہ معذرت کر رہا ہے کہ ہمارے اس اقدام کی وجہ آپ کو نظر بند کرنا یا معزول کرنا نہیں ہے، ہم تو اس کا تصور نہیں کر سکتے، بلکہ داراشکوہ نے آپ کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر جو استقلال پیدا کرلیا ہے اور جو خودسری کا رویہ اختیار کر رکھا ہے، اس کو سبق سکھانا ہے۔ دوسرے خط میں مراد اپنے اقدام کو درست قرار دینے کے لیے دارا کو متنبہ کر رہا ہے کہ ہم تمھارا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہونے دیں گے، کہ شاہ جہاں کی بیماری اور ہماری دوری سے فائدہ اٹھا کر خود بادشاہ بن بیٹھو، بلکہ ہم تم سے لڑ کر بادشاہ کو ان کے اختیارات واپس دلائیں گے۔ اس لیے ان خطوط سے مذکورہ بالا استدلال کسی طرح نہیں کیا جا سکتا۔ یہ خطوط جس پس منظر میں لکھے گئے ہیں، اس میں ایسی ہی تعبیرات کی ضرورت تھی؛ اسی لیے مورخین نے زیادہ سے زیادہ جو ذکر کیا ہے، وہ یہ کہ بادشاہ بے بس تھا، اور دارا جو چاہتا، منوالیتا تھا۔ برنیر لکھتا ہے:

”ان دنوں شاہ جہاں کا فی الواقع بہت پتلا حال تھا، اور علاوہ شدائد اور تکالیفِ مرض کے وہ حقیقتاً دارا شکوہ کے پنجۂ سرکشی میں پھنسا ہوا تھا“ (۳۳)۔

---

(۳۳) برنیر کا سفرنامۂ ہند، ص: ۸۶۔

دارا شکوہ کا اورنگ زیب سے برسرِ پیکار ہونا

جسونت سنگھ اورنگ زیب کے مقابلے میں شکست کھا کر بھاگا تو دارا شکوہ نے خود مقابلے کی تیاری کی۔ اورنگ زیب نے شاہ جہاں کو مشورہ دیا کہ دارا شکوہ کو پنجاب کی طرف بھیج دیں؛ اس لیے کہ جب تک وہ آگرہ میں رہے گا، باپ اور بھائیوں کے لیے دشواریاں پیدا کرے گا اور شاہ جہاں کچھ نہ کر سکے گا۔ شاہ جہاں کو یہ مشورہ نہیں ماننا تھا نہ مانا، اور حقیقت یہ ہے کہ وہ دارا کے ہاتھوں مجبور تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دارا شکوہ خود فوج لے کر عالم گیر کے مقابلے پر آیا۔ شاہ جہاں نے بہت روکا۔ وہ دل سے چاہتا تھا کہ اپنے لڑکوں کو آپس میں خون ریزی سے باز رکھے، مگر دارا نے کوئی بات چلنے نہ دی۔ اس کا خیال تھا کہ بھائیوں کو شکست دے کر بادشاہ بن جائے گا۔ شاہ جہاں نے یہ دیکھنے کے باوجود کہ دارا اس کی ایک بات نہیں مانتا، اس کے لیے خزانے کے دہانے کھول دیے۔

شاہ جہاں کی دوغلی پالیسی اور اورنگ زیب کی بیدار مغزی

سموگڑھ کے مقام پر ۷ رمضان ۱۰۶۸ھ (۲۹ مئی ۱۶۵۸ء) کو دارا اور اورنگ زیب کی فوجوں کے درمیان لڑائی ہوئی۔ مراد اپنی افواج سمیت اورنگ زیب کے ساتھ تھا۔ اس نے عجیب وغریب بہادری دکھائی۔ سخت حملوں سے بے تاب ہو کر دارا بھاگ کھڑا ہوا، جس سے عام انتشار پیدا ہو گیا، اور دارا کی کوششیں بے کار ثابت ہوئیں۔ دارا کے بھاگتے ہی اورنگ زیب

نے فتح کا طبل بجوایا۔ دارا آگرہ پہنچا اور محل میں داخل ہو کر دروازے بند کر لیے۔ شاہی محل میں کہرام مچ گیا۔ اس حالت میں بھی شاہ جہاں نے دارا کا جو تعاون کر سکتا تھا، کیا۔ دارا راتوں رات دہلی روانہ ہو گیا کہ وہاں پہنچ کر از سرِ نو لڑائی کے لیے تیاری کرے۔

اس تفصیل سے اندازہ ہوا ہو گا کہ داراشکوہ کے مقابلے میں اورنگ زیب کا آمادۂ جنگ ہونا حفاظتِ خود اختیاری کا ضروری فرض تھا؛ اس لیے دشمنوں تک نے صاف لکھا ہے کہ اورنگ زیب اپنے اس اقدام کے لیے مجبور تھا۔ ڈاکٹر برنیر سے بڑھ کر داراشکوہ کا دوست اور عالم گیر کا دشمن کون ہو گا، تاہم ان بھائیوں کے ارادۂ جنگ کے متعلق لکھتا ہے:

"واقعی ان کو اپنے اس ارادے سے دست بردار ہونا مشکل تھا؛ کیوں کہ فتح یابی کی حالت میں تو تخت کی امید تھی، اور شکست کی صورت میں جان جانے کا یقینِ کلی تھا؛ اور اب صرف دو ہی باتیں تھیں: یا موت یا سلطنت۔ اور جس طرح شاہ جہاں اپنے بھائیوں کے خون سے ہاتھ بھر کر تخت نشین ہوا تھا، اسی طرح ان کو یقینِ واثق تھا کہ اگر ہم اپنی امیدوں میں ناکامیاب رہیں گے تو غالب اور فتح یاب حریف حسد کے مارے ہم کو ضرور قتل کرا دے گا" (۳۴)

اور لین پول کے الفاظ میں: اورنگ زیب یہ ضرور جانتا ہو گا کہ

(۳۴) برنیر کا سفر نامۂ ہند، ص:۶۷۔

بھائیوں میں کسی ایک کی تخت نشینی سے یا تو وہ قید کرلیا جائے گا یا مارا جائے گا، اور اس نے اپنے دل میں مصمم ارادہ کرلیا ہوگا۔ حفاظتِ خود اختیاری میں اس کا فرض تھا کہ حصولِ بادشاہت کے لیے وہ بھی ایک نیلامی بولی بولے (۳۵)

سموگڑھ کی لڑائی کے بعد شاہ جہاں کے پاس اتنی فوج نہ تھی کہ وہ اورنگ زیب کا مقابلہ کرسکتا؛ اس لیے اب اس نے دوست اور ہمدرد کا روپ دھار کر مغلوب کرنا چاہا؛ چناں چہ اورنگ زیب جس دن آگرہ پہنچا، شاہ جہاں نے اپنے خانساماں ومعتمد خاص فاضل خاں اور صدرالصدور مولانا ہدایت اللہ کو تحائف اور ایک خط کے ساتھ اورنگ زیب کے پاس بھیجا۔ اس خط میں اشتیاقِ ملاقات کا ذکر تھا۔ اورنگ زیب نے اس کے جواب میں لکھا کہ وہ اولین فرصت میں حاضرِ خدمت ہوکر شرفِ ملازمت اختیار کرے گا۔ ان کے جانے کے بعد اورنگ زیب کو بعض خاص ذرائع سے معلوم ہوا کہ یہ دعوت صرف اس لیے ہے کہ اسے قلعے میں بلا کر قید یا قتل کردیا جائے۔ دوسرے دن شاہ جہاں نے بہت سے جواہرات اور ایک تلوار بھیجی، جس پر "عالمگیر" کا لفظ منقوش تھا۔ عالم گیر اب آسانی سے شاہ جہاں کے دام میں پھنسنے والا نہیں تھا، اسے شاہ جہاں کی نیت کے متعلق شبہ ہوچکا تھا۔ شاہ جہاں کو بھی عالم گیر کے تردد کی اطلاع ملی، تو اس کو خطرہ محسوس ہوا کہ کوئی شخص اسے اورنگ زیب کے حوالے نہ کرے۔ اس خیال کے ساتھ ہی اس نے قلعے کا دروازہ بند کردیا۔

(۳۵) دیکھیے: اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر، ص: ۸۴۔

اورنگ زیب کو اس کی اطلاع ملی تو اس نے فوراً اپنی فوج قلعے کے گرد پھیلا دی۔ تیسرے دن بادشاہ نے ایک خط دے کر فاضل خاں کو اورنگ زیب کے پاس بھیجا: اس میں زمانہ کا شکوہ تھا، خدا اور رسول کا واسطہ تھا، حقوقِ پدری کی یاد دہانی اور کبر و غرور سے دور رہنے کی نصیحت تھی۔ اس کے جواب میں اورنگ زیب نے صاف لکھا کہ اس نے یہ جو قدم اٹھایا، انتہائی مجبوری میں اٹھایا ہے، ورنہ وہ تو قدم بوسی کے لیے بے چین ہے؛ مگر چوں کہ اسے اپنی جان کے متعلق خطرہ لاحق ہو چکا تھا، اس لیے پہلے وہ اس طرف سے اطمینان حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس نے کھل کر لکھا کہ اب میں اپنی طبیعت بشری کے باعث بدگمانی کا شکار ہوں، اور ہراس مجھ پر چھایا ہوا ہے، اب مجھ میں یہ جرأت باقی نہیں ہے کہ اطمینانِ قلب اور طمانیت کے ساتھ آپ کی قدم بوسی کے لیے حاضر ہو سکوں؛ ورنہ آپ کے پاس حاضر ہونے کی آرزو تو اس عاجز و درماندہ کو اس قدر ہے کہ تحریر و تقریر میں نہیں آ سکتی...... اگر آپ مرید نوازی فرمائیں اور حکم جاری کر دیں کہ میرے کچھ سپاہی پہلے قلعے میں باریاب ہو کر ان لوگوں کی جگہ لے لیں جو قلعے کے دروازوں کی حفاظت کے لیے آپ کی طرف سے مامور ہیں، اور میرے ان سپاہیوں کو آپ کی بارگاہ سے اس خدمت پر مامور کیے جانے کی منظوری بھی دی جائے، تب آپ کا یہ قدیم خادم سکونِ قلب اور اطمینانِ خاطر کے ساتھ بارگاہِ والا میں پہنچ کر زمین بوسی کی سعادت حاصل کر سکے گا، تاکہ خدمت والا میں پہنچ کر عذرِ تقصیرات بجا لا سکوں۔ اگر میری یہ

درخواست منظور کرلی جائے تو انتہائی مرید نوازی ہوگی (۳۶)۔

اس کے بعد بھی شاہ جہاں نے تامل کیا، اور ایک سخت خط لکھا۔ اس کے جواب میں اورنگ زیب نے صرف اس قدر لکھ کر کہ ''کردۂ خویش آید پیش، زیادہ حدِ ادب'' حجت تمام کردی۔ اب شاہ جہاں مجبور تھا۔ اس نے ۱۷؍رمضان ۱۰۶۸ھ (۸؍جون ۱۶۵۸ء) کو قلعے کا دروازہ کھول دیا۔ اس کی فوج نے اطاعت قبول کرلی۔ اورنگ زیب کے لڑکے محمد سلطان نے قلعے کے اندر جا کر پہلے بادشاہ سے ملاقات کی اور پھر تمام اہم مقامات، سرکاری خزانوں اور توشہ خانوں پر قبضہ کرلیا (۳۷)۔

عالم گیر اب بھی چاہتا تھا کہ شاہ جہاں سے خود چل کر ملاقات کرے، چناں چہ خافی خان لکھتا ہے:

''عالم گیر نے دوبارہ باپ کو دیکھنے کا ارادہ کیا، مقصد یہ تھا کہ معذرت کی جائے اور ان قصوروں کی معافی چاہی جائے جو بد بخت اور ناہنجار بھائی کی نحوست سے بلا اختیار سرزد ہوگئے تھے؛ لیکن آخر کار جب ان کو معلوم ہوا کہ اعلیٰ حضرت کی مرضی دارا شکوہ کی اعانت اور رعایت کی جانب راغب ہے، اور اختیار کا سررشتہ تقدیر کے قلم سے نکل چکا ہے تو مصلحت اسی میں ہے کہ ملاقات کے ارادے کو فسخ کردیا جائے'' (۳۸)۔

---

(۳۶) دیکھیے: رقعاتِ عالم گیر، ۶/۱۲۱، ص: ۲۰۶-۲۰۷۔

(۳۷) تفصیل کے لیے دیکھیے مقدمۂ رقعاتِ عالم گیر، ص: ۴۴۸۔

(۳۸) منتخب اللباب، ۲/۳۴۔

دو دن بعد جہاں آرا بیگم اورنگ زیب سے ملنے آئی اور اس نے شاہ جہاں کی طرف سے تقسیم حکومت کی تجویز پیش کی؛ مگر اورنگ زیب اب چوکنا ہو چکا تھا، وہ خوب سمجھتا تھا کہ شاہ جہاں اس کا مخلص نہیں ہے، اور اس کی یہ پیش کش محض اسے پھانسنے کی ایک کوشش ہے کہ جب تک یہ مسئلہ حل ہو، دارشکوہ دہلی سے تازہ دم فوج کے ساتھ آ کر اس پر حملہ کرے اور اس کا سارا منصوبہ دھرا کا دھرارہ جائے؛ چناں چہ اس نے اس تجویز کو ماننے سے انکار کر دیا۔

علامہ شبلی واقعات کا جائزہ لینے کے بعد لکھتے ہیں:

عالم گیر کا نکتہ چیں اس موقع پر یہ کہہ سکتا ہے کہ عالم گیر نے جو کچھ کیا، حفاظتِ خود اختیاری کی وجہ سے کیا؛ لیکن وہ جسونت سنگھ کو شکست دے کر آگرہ کے قریب پہنچ گیا، اور شاہ جہاں نے اس کو بار بار بلایا اور نہایت شفقت آمیز خط لکھے، تحفے اور انعام بھیجے اور سب سے بڑھ کر سلطنت کی تقسیم اس طرح کرنی چاہی جس سے بڑھ کر عالم گیر کے حق میں کوئی بات نہیں ہو سکتی تھی، یعنی یہ کہ داراشکوہ کو پنجاب و کابل اور مراد کو گجرات اور شجاع کو بنگال دیا جائے اور عالم گیر کو ولی عہدی کا منصب اور پایۂ تخت کی سلطنت دی جائے؛ تو اس حالت میں باپ کی نافرمانی کرنا، گستاخی سے پیش آنا اور آخر قلعے میں بند کر دینا، اخلاق کے مذہب میں کفر سے بدتر ہے۔

لیکن تحقیق طلب یہ ہے کہ کیا شاہ جہاں فی الواقع وہی کرنا چاہتا تھا، جو کہتا تھا؟ اسلامی تعلق سے شاہ جہاں اور عالم گیر دونوں یکساں واجب التعظیم

ہیں؛ گو وہ خلیفہ نہیں، لیکن لغوی معنوں میں (نہ شرعی) امیر المومنین ہیں۔ میرا دل دکھتا ہے کہ ان میں کسی کو ملزم ٹھہراؤں؛ لیکن سچائی اور تاریخ نویسی کا کیا فرض ہے؟ شاہ جہاں اور عالم گیر دونوں قابل ادب ہیں؛ لیکن دونوں سے بڑھ کر بھی ایک چیز ہے ''حق اور راستی'' اور مجھ کو اسی اعلیٰ تر چیز کے سامنے گردن جھکا دینی چاہیے (۳۹)۔

اس حق اور راستی کے شواہد گزر چکے ہیں اور ہم دکھا چلے ہیں کہ کس طرح اورنگ زیب شروع سے اب تک حقوقِ پدری کا لحاظ کرتا اور ایک سعادت مند بیٹے کا کردار ادا کرتا رہا۔

قلعے میں اورنگ زیب کے قتل کی تیاریاں

اس کے باوجود شاہ جہاں کس طرح دارا کے اشارے سے اورنگ زیب کو ذلیل اور رسوا کرتا اور جائز حقوق تک سے محروم کرتا رہا، یہاں تک کہ جان تک لینے کا ارادہ کر لیا: مگر کمال ہے اورنگ زیب کی سعادت مندی کا کہ وہ اب بھی بہن کے کہنے سے باپ کی ملاقات کے لیے تیار ہو گیا، جب کہ اس کو اس کی طرف سے قتل کی سازش کا شبہ ہو چکا تھا! غرض وہ باپ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے قیام گاہ سے نکلتا ہے، اور اس کے مقربین و معتمدین اس کو روکتے ہیں کہ یہ سب دھوکا ہے، اس میں خطرہ نظر آتا ہے۔ وہ عرض کرتے

---

(۳۹) اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر، ص: ۸۲-۸۵۔

ہیں: جہاں پناہ اس موقع پر شاہ جہاں کی خدمت میں حاضر ہونا خلافِ مصلحت اور غیر مناسب ہے۔ حضور کے تمام مخلص و خیر اندیش، جاں نثار اور عقیدت کیش آپ کے اس ارادے کی خبر پا کر سخت پریشان ہیں؛ خدا کے لیے ہم غلاموں کے حال پر رحم فرمائیے اور اس خلافِ مصلحت ارادے سے باز آجائیے۔ ان خیر خواہوں کی باتیں سن کر اورنگ زیب کچھ سوچ میں پڑ گیا۔ عین اس وقت ایک سازش کا انکشاف ہوتا ہے اور اورنگ زیب کا شبہ یقین میں بدل جاتا ہے، جب کہ دفعتاً ناہر دل خاں چیلہ سامنے سے نکلا۔ شاہ جہاں نے اپنے دستِ خاص سے داراشکوہ کے نام خط لکھ کر بڑی احتیاط سے اس کے حوالے کیا تھا کہ کسی کو اس کی بالکل خبر نہ ہونے پائے، اور اس سے کہا تھا کہ آندھی کی طرح دہلی پہنچو اور یہ خط داراشکوہ کو پہنچا کر اس کی طرف سے فوراً جواب لے کر آؤ۔ یہ خط اورنگ زیب کے ہاتھ لگ گیا۔ خط کا مضمون یہ تھا:

”داراشکوہ خاطرِ خود را جمع کردہ در شاہ جہاں آباد ثبات قدم ورزد، کمی خزانہ و لشکر در آنجا نیست، زینہار از آنجا بیشتر نگذرد، کہ ما بدولت مہم را در ایں جا فیصل می فرمائیم“ (۴۰)

داراشکوہ مطمئن ہو کر دہلی میں جمے رہو، وہاں خزانے اور لشکر کی کمی نہیں ہے، وہاں سے آگے نہ بڑھو: ہم اس قصے کو یہیں ختم کیے دیتے ہیں۔

---

(۴۰) رقعاتِ عالمگیری (قلمی) ص: ۹۴ [illegible]

[illegible]

[illegible]

خط سے اورنگ زیب سمجھ گیا کہ شاہ جہاں کے پاس پہنچتے ہی اس کا کام تمام کر دیا جائے گا، اس لیے خط ملنے کے بعد اس کے پاس اس کے سوا اور کیا چارہ تھا کہ واپس لوٹ آئے! اورنگ زیب نے بالکل صحیح سمجھا تھا۔ قلعے میں اس کے قتل کی تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ برنیر سے بڑھ کر کس کی شہادت اس سلسلے میں معتبر ہوگی! وہ لکھتا ہے کہ جہاں آرا بیگم نے تاتاری عورتوں کو مسلح کیا تھا جو محل سرا میں چوکی پہرے کے کام پر متعین رہتی تھیں، اور ان سے یہ کہہ رکھا تھا کہ جب اورنگ زیب قلعے میں داخل ہو، تو سب اس پر ٹوٹ پڑیں (۴۱)۔

اورنگ زیب کا قلعے پر قبضہ اور شاہ جہاں کی خدمت میں معذرت نامہ

ان حالات کو دیکھ کر اورنگ زیب نے وہی کیا جو ایک سمجھ دار آدمی کو اس وقت کرنا چاہیے تھا۔ اپنے بیٹے شہزادہ اعظم کو شاہ جہاں کے پاس عفوِ تقصیرات کے لیے بھیجا اور پانچ سو اشرفیاں اور چار ہزار روپے نذر بھیجے اور قلعے کی حفاظت کا پورا بندوبست کرنے کے بعد حکومت کی باگ اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اس کے بعد باپ کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا جو روانہ کرنے سے پہلے قصداً سب لوگوں کو سنایا گیا، جس کا مضمون یہ تھا:

---

(۴۱) دیکھیے برنیر کا سفر نامۂ ہند، ص: ۱۱۰۔ برنیر نے تفصیل سے اس کو لکھا ہے۔

''یہ بے ادبی مجھ سے اس لیے سرزد ہوئی ہے کہ حضور ظاہراً میری نسبت اظہارِ الفت و مہربانی فرماتے تھے اور ارشاد ہوتا تھا کہ ہم دارا شکوہ کے طور طریق سے سخت ناراض ہیں، مگر مجھے پختہ خبر ملی ہے کہ حضور نے اشرفیوں سے لدے ہوئے دو ہاتھی اس کے پاس بھیجے ہیں (یہ حقیقت تھی خود برنیر نے آگے اس کی تصدیق کی ہے) جن سے وہ نئی فوج تیار کرے گا، اور اس خون ریز لڑائی کو طوالت دے گا۔ پس حضور ہی غور فرمائیں کہ یہ حرکتیں جو فرزندوں کے معمولی طریق کے برخلاف اور سخت معلوم ہوتی ہیں، مجھ سے ان کے سرزد ہونے کا باعث کیا صرف دارا شکوہ کی خودسری اور عناد ہی نہیں؟ بلکہ فی الواقع حضور کی اسیری اور اتنی دیر تک شرفِ قدم بوسی سے میری محرومی اور حضور کے خلافِ توقع فرزندانہ خدمات کی بجا آوری میں اس قدر درنگ کا باعث محض وہی ہے، اور میں حضور سے بہ کمالِ معذرت یہ التجا کرتا ہوں کہ میری اس حرکت کی تعجب انگیز ظاہری صورت پر لحاظ فرما کر اس زوالِ آزادی کو جو صرف چند روز کے لیے ہے، تحمل کے ساتھ گوارا فرمالیں، اور جب دارا شکوہ امن

داماں میں خلل انداز ہونے اور حضور کو اور مجھ کو ایذا دہی
کے قابل نہ رہے گا تو میں فوراً قلعے کی طرف از خود دوڑا چلا
آؤں گا اور حاضر ہو کر دست بستہ عرض کروں گا کہ اب
کچھ روک ٹوک نہیں ہے (۴۲)۔

اورنگ زیب کا باپ کے ساتھ حسن سلوک

اس تفصیل سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اورنگ زیب نے باپ کے احترام کو کس حد تک قائم رکھنے کی کوشش کی۔ مولانا سید نجیب اشرف ندوی نے تمام واقعات کا تفصیل سے جائزہ لینے کے بعد لکھا ہے:

اورنگ زیب نے باپ کے احترام کو جس حد تک قائم رکھا اور جس درجے تک اس نے شاہ جہاں کے مقابل براہ راست اپنے کو پیش کرنے سے گریز کیا، اس کی مثال مغل تاریخ کے صفحات میں نہیں مل سکتی۔ یہ خود شاہ جہاں تھا جو باپ کے خلاف علانیہ برسرِ جنگ ہو گیا تھا۔ یہ جہاں گیر تھا جس نے اپنے باپ کے مقابلے میں اعلانِ جنگ کر دیا تھا؛ لیکن اورنگ زیب نے ایک لمحے کے لیے بھی یہ ظاہر ہونے نہ دیا کہ اس کی یہ جنگ باپ کے خلاف ہے، یا وہ شاہ جہاں سے لڑنے کے لیے کھڑا ہوا ہے۔ اس نے جب کبھی اس کے متعلق کسی کو کچھ لکھا، تو اس میں صرف یہ ظاہر کیا کہ اس کا مقابلہ دارا سے تھا، اس کی

(۴۲) ملاحظہ برنیر کا سفر نامہ جلد ۲، ص: ۱۱۳۔ برنیر نے تفصیل سے اس کو لکھا ہے۔

جنگ دارا سے ہوئی، اور اگر اس کی عداوت تھی، تو دارا سے تھی......اورنگ زیب نے شاہ جہاں کی کامل آزادی میں صرف اسی حد تک تحدید کردی تھی کہ وہ اس کو کسی صورت سے نقصان نہ پہنچا سکے، اور بس؛ ورنہ نہ اس کے روزانہ مشاغل میں کوئی مداخلت کی گئی تھی اور نہ اس کے ذاتی توشہ خانوں کو ہاتھ لگایا گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اورنگ زیب نے اس بات کا بھی حکم دے دیا تھا کہ شاہ جہاں جو چیز جس وقت طلب کرے، اس کے سامنے حاضر کی جائے؛ لوگوں کا جو ہزاروں روپیہ اس کے ذمے ہے، وہ ادا کر دیا جائے، اور جن لوگوں کے وظائف مقرر ہیں، وہ علی حالہ باقی رہیں؛ چناں چہ جہاں آرا کا بھی آخر وقت تک وہی اثر واقتدار اور عزت واحترام باقی رکھا گیا (۴۳)۔

برنیر نے اس کو تفصیل سے لکھا ہے۔ لکھتا ہے:

اگرچہ اورنگ زیب شاہ جہاں کو قلعۂ آگرہ میں بڑی احتیاط کے ساتھ قید کیا ہوا تھا، اور کسی ایسی بات میں مطلقاً غفلت نہیں کی جاتی تھی جس سے اس کے نکل بھاگنے کا اندیشہ ہو؛ لیکن اور سب طرح پر ادب اور ملائمت سے سلوک کیا جاتا تھا، اور ان شاہی محلوں میں رہنے سہنے کی بھی اجازت دی گئی تھی کہ جن میں وہ پہلے رہا کرتا تھا، اور اس کی بیٹی معروف بیگم صاحب (جہاں آرا) سے بھی ملنے کی اجازت تھی اور محل کی کل متعلقہ عورتیں، باورچی خانہ اور ناچنے گانے والیاں وغیرہ سب حاضر رہتی تھیں، اور اپنے معاملات میں

---

(۴۳) مقدمہ رقعات عالم گیری ص ۲۵۰-۲۵۲۔ (ملخصاً)

اس کی کوئی خواہش رد نہیں کی جاتی تھی۔ اور اب جو یہ بڈھا عابد وزاہد بن گیا تھا بعض ملّاؤں کو بھی اس کے پاس جا کر تلاوتِ قرآن کی پروانگی تھی، خاصے گھوڑوں اور باز، جُرّے وغیرہ شکاری جانوروں کے منگا لینے اور ہرنوں اور مینڈھوں وغیرہ کی لڑائی کا تماشا دیکھنے کی بھی اجازت تھی۔ غرض یہ کہ اورنگ زیب کا برتاؤ شاہ جہاں کے ساتھ مہربانی اور ادب سے خالی نہ تھا، اور حتی الامکان اپنے بوڑھے باپ کی ہر طرح سے خاطر داری کرتا تھا اور نہایت کثرت سے تحفے تحائف بھیجتا رہتا، اور سلطنت کے بڑے بڑے معاملات میں اس کی رائے اور مشورے کو مثلِ ایک پیر و مرشد کی ہدایت کے طلب کرتا تھا، اور اس کے عریضوں (۴۴) سے جو اکثر لکھتا رہتا تھا، ادب اور فرماں برداری ظاہر ہوتی تھی۔ پس اس طرح سے شاہ جہاں کی گردن کشی اور اس کا غصہ آخر کار یہاں تک ٹھنڈا پڑ گیا کہ معاملاتِ سلطنت میں بیٹے کو لکھنے پڑھنے لگ گیا، اور داراشکوہ کی بیٹی کو بھی اس کے پاس بھیج دیا، اور وہ بیش بہا جواہرات جن کے دینے سے پہلے انکار کر کے یہ کہہ دیا تھا کہ اگر پھر مانگو گے تو کوٹ کر چورا کر ڈالوں گا، مگر دوں گا نہیں، ان میں سے بھی بعض جواہرات اورنگ زیب کے پاس از خود بھیج دیے، بلکہ اپنے باغی فرزند کی سب گستاخانہ حرکتیں معاف

---

(۴۴) مولانا سید نجیب اشرف ندوی نے رقعات عالم گیر میں ''بعد از عزلتِ شاہ جہاں تلافیِ مافات'' کے زیرِ عنوان شاہ جہاں کے نام لکھے اورنگ زیب کے کئی طویل طویل خطوط درج کیے ہیں۔ دیکھیے ص: ۲۱۱ تا ۲۲۶، جن سے اورنگ زیب کی اطاعت شعاری، ادب و فرماں برداری، عاجزی و انکساری اور اس اقدام کی مجبوری کا اندازہ ہوتا ہے۔

کر کے اس کے حق میں دعاے خیر بھی کر دی (۴۵)۔

کیا اب بھی باپ کے ساتھ سلوک کے تعلق سے اورنگ زیب پر کوئی الزام عائد ہو سکتا ہے؟

شاہ جہاں اس کے بعد تقریباً آٹھ سال تک زندہ رہا اور چند دن بیمار رہ کر ۲۶ رجب ۱۰۷۶ھ مطابق ۲۲ جنوری ۱۶۶۶ء کو ہمیشہ کے لیے دنیا سے رخصت ہو گیا۔

مراد اور اورنگ زیب کے درمیان

جہاں تک اورنگ زیب کے اپنے بھائیوں کے ساتھ تعلق کا معاملہ ہے، تو اورنگ زیب شروع سے تمام بھائیوں کا خیر خواہ رہا، اور اس نے کبھی کسی بھائی کا نقصان نہیں کیا۔ جب اورنگ زیب داراشکوہ کے ساتھ برسرِ پیکار تھا تو مراد کا اورنگ زیب سے معاہدہ ہوا تھا۔ ایک طویل عہد نامے پر دونوں کے دستخط ہوئے تھے، جس میں مراد نے اورنگ زیب کو مکمل فتح حاصل ہونے تک اس کی ماتحتی میں لڑنے کا عہد کیا تھا۔ اس کے بدلے یہ طے پایا تھا کہ مراد کو غنیمت کا تیسرا حصہ اور صوبجاتِ کشمیر، کابل، شمالی پنجاب اور سندھ کا باج گزار بادشاہ بنا دیا جائے گا (۴۶)۔ پہلے پہل اس نے معاہدے کا پورا خیال رکھا اور لڑائیوں میں بڑی جواں مردی دکھائی۔ سموگڑھ کی فتح درحقیقت اسی کی بے مثل

(۴۵) برنیر کا سفر نامۂ ہند، ص: ۱۸۷-۱۸۸۔

(۴۶) پورا عہد نامہ ملاحظہ ہو رقعات عالم گیر، ۱/۴۷۰، ص: ۲۶۴-۲۶۶۔

شجاعت و بہادری سے حاصل ہوئی تھی۔ اس کے بعد اس نے آہستہ آہستہ سرتابی شروع کی۔ مؤرخین نے جہاں مراد کی انتہائی دلیری و جاں بازی کا ذکر کیا ہے، وہیں اس کی سادہ لوحی کے ذکر میں بھی تذکرہ نویس متفق ہیں۔ اس کی اسی سادہ دلی سے اس کے مصاحبین اور امراء نے فائدہ اٹھایا، اور اس کو اورنگ زیب کے خلاف ورغلانا شروع کیا؛ اس سے اسے یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ سارے معرکے میں نے ہی سر کیے ہیں، اور میں ہی تنہا تخت کا حق دار ہوں۔ اس خیال کے ساتھ ہی اس نے نہایت تیزی سے فوج کی بھرتی شروع کی، اورنگ زیب کے کئی بڑے بڑے امراء کو بھاری تنخواہوں اور انعاموں کا لالچ دے کر نوازنے میں وہ کامیاب ہوا؛ نیز اپنے کو خود مختار بادشاہ سمجھ کر اپنے امراء کی ترقیات کے لیے احکام تک جاری کر دیے۔ دوسری طرف شاہ جہاں نے مراد کو اپنا آلۂ کار بنایا۔ اسے جب اورنگ زیب کو قلعے کے اندر بلا کر کسی قسم کا گزند پہنچانے میں ناکامی ہوئی تو اس نے مراد کے ہاتھوں یہ کام سرانجام دینے کی کوشش کی، اور اسے صریح خط لکھا کہ اگر وہ اورنگ زیب کو قتل کر دے تو اسی کو ہندوستان کا بادشاہ بنایا جائے گا (۴۷)؛ مگر قبل اس کے کہ مراد اپنے اس ارادے کو عملی جامہ پہنا سکے، یہ رقعہ اورنگ زیب کے ہاتھ لگ گیا اور اس نے حفاظت خود اختیاری میں مراد کو گرفتار کر کے قلعۂ گوالیار میں نظر بند کر دیا۔ اس نے اسی وقت اس سے کہہ دیا تھا کہ اس کی یہ گرفتاری وقتی ہے، اور اگر اس

(۴۷) پورا عہد نامہ ملاحظہ ہو رقعات عالم گیر، ۲، ۱۹۵، ص: ۳۰۸۔

عرصے میں اس نے اپنے رویے سے یہ ثابت کر دیا کہ اب وہ اورنگ زیب کے خلاف کوئی معاندانہ کارروائی نہ کرے گا، تو وہ اس کو آزاد اور معاہدے کے مطابق صوبوں کا مالک بنا دے گا۔ اس لیے اورنگ زیب نے اس کے لیے ساری سہولیتیں اور آسانیاں بھی بہم پہنچائیں، مگر مراد مسلسل بھاگنے کی کوشش اور اورنگ زیب کے خلاف سازش کرتا رہا۔ اگر اورنگ زیب چاہتا، تو اسی وقت مراد کو اس کی سزا دے سکتا تھا؛ لیکن اس نے اس کے متعلق باز پرس تک نہ کی، اور مراد تقریباً چار سال گوالیار کے قلعے میں رہا، تا آں کہ اس کے خلاف قتل کا مقدمہ قائم ہوا اور قصاص میں اسے قتل کیا گیا۔

یہ بات گزر چکی ہے کہ مراد نے گجرات میں اپنے ایک دیوان علی نقی کو قتل کر دیا تھا؛ اب جب کہ اورنگ زیب کے دورِ حکومت میں قصاص وغیرہ مسائل میں مذہبی احکام نافذ ہونے لگے، تو علی نقی کے ورثہ کی ہمت بندھی، اس کے چھوٹے لڑکے نے اپنے باپ کا انتقام لینے کی ٹھانی؛ چناں چہ اس نے بادشاہ اورنگ زیب کے سامنے اس کے متعلق درخواست دی، بادشاہ نے اسے منع کیا، لیکن اس نے نہیں مانا، مجبوراً اسے گوالیار کے قاضی کے پاس بھیجا، قاضی نے بھی خوں بہا لینے پر بہت زور دیا، مگر اس لڑکے نے اسے بھی مسترد کر دیا؛ اب حکم صاف تھا کہ مراد سے قصاص لیا جائے؛ چناں چہ ۲۱ ربیع الثانی ۱۰۷۲ھ مطابق ۴ دسمبر ۱۶۶۱ء کو شہزادے نے علی نقی کے خون کا بدلہ اپنے خون سے دیا۔

چوں کہ شرعاً اس سے بدلہ لیا گیا تھا، اس لیے اورنگ زیب مجبور تھا؛ مگر طبعاً چھوٹے بھائی کے قتل کا اس پر بڑا اثر پڑا۔ خافی خاں نے لکھا ہے کہ وہ لڑکا بادشاہ کی نظر میں معتوب بن گیا؛ اور بادشاہ نامۂ محمد صادق کے بیان کے مطابق: بادشاہ نے اس سے عرصے تک گفتگو تک نہیں کی (۴۸)۔

شجاع کا معاملہ

شجاع، داراشکوہ کے بعد بھائیوں میں سب سے بڑا تھا۔ اس لیے وہ دارا کی شکست کو اپنے لیے فالِ نیک سمجھتا تھا، اس نے بھی قسمت آزمائی کی کوشش کی، حالاں کہ اورنگ زیب سے اس کا معاہدہ تھا، (۴۹) اور اورنگ زیب پوری طرح عہد پر قائم اور اس کے مطالبات پورے کرنے کے لیے تیار تھا۔ دوسری طرف شاہ جہاں بھی برابر اس کو اورنگ زیب کے خلاف لڑنے پر

---

(۴۸) ملاحظہ ہو مقدمۂ رقعات عالم گیر، ص: ۴۶۹۔ مراد کی گرفتاری کے متعلق یورپین مورخین نے جو غلط بیانیاں اور فریب کاریاں کی ہیں، علامہ شبلی نے ان کا تحقیقی جائزہ لے کر جواب دیا ہے۔ ملاحظہ ہو ان کی کتاب، ص: ۹۶ تا ۱۰۲، نیز دیکھیے مقدمۂ رقعات عالم گیر، ص: ۴۶۸۔ کیا اب بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ اورنگ زیب نے مراد پر زیادتی کی؟ مگر شمس بریلوی صاحب کو کون سمجھائے! وہ لکھتے ہیں کہ اورنگ زیب مراد کے سلسلے میں عفو و کرم سے کام لے سکتے تھے۔ لیکن شاید اورنگ زیب کے یہاں خلفِ عہد کی سزا موت کے سوا اور کچھ نہیں تھی (اورنگ زیب خطوط کے آئینے میں ص ۳۷) کیا مزید کسی ثبوت کی ضرورت ہے کہ یہ خلفِ عہد کی سزا نہیں، بلکہ شرعی قصاص تھا۔ اورنگ زیب مجبور تھے؛ انھیں شرعی حکم میں تبدیلی کا کوئی حق نہیں تھا۔

(۴۹) پہلے معاہدہ تو اورنگ زیب اور شجاع کے درمیان ہی ہوا تھا، پھر مراد کو اس میں شامل کر لیا گیا تھا، تفصیل کے لیے دیکھیے مقدمۂ رقعات عالم گیر، ص: ۳۷۸۔

آمادہ کرتا رہا؛ اس سے اس کے حوصلے اور بڑھ گئے اور مردہ جذبات میں جان پڑ گئی؛ چناں چہ فوج لے کر وہ بڑھتا چلا آیا۔ اورنگ زیب نے پہلو بچانے کی بہت کوشش کی، مدافعت کے لیے جو فوج بھیجی تھی اس کی کمان شاہ زادہ محمد سلطان کے ہاتھ میں تھی۔ اورنگ زیب نے بتاکید اس کو لکھا تھا کہ وہ لڑائی میں پیش قدمی نہ کرے۔ شجاع کے دماغ میں ہندوستان کی بادشاہت کا سودا سمایا ہوا تھا۔ نتیجے سے آنکھ بند کر کے وہ آگے بڑھ رہا تھا، کھجوا کے مقام پر دونوں فوجوں کا سامنا ہوا؛ بالآخر شجاع کو فاش شکست ہوئی، اور وہ بال بچوں اور چند ساتھیوں سمیت جان بچا کر برما کی طرف بھاگا، اور ارکان کے علاقے میں داخل ہوگیا، وہاں کے راجہ نے تکریم کا معاملہ کیا، لیکن اس نے وہاں کے مسلمان باشندوں کے ساتھ سازش کر کے راجہ کے تخت پر قبضہ کرنا چاہا، جس کے نتیجے میں افرادِ خاندان کے ساتھ شہید کر دیا گیا۔ چوں کہ اس کے انجام کے متعلق اس وقت کوئی صحیح بات نہیں معلوم تھی، اس لیے اورنگ زیب کو اپنے بھتیجوں کی فکر ہوئی اور اس نے اپنے افسروں کو لکھا کہ شجاع کے خاندان کا اس ملک میں پتہ لگائیں، مگر آج تک کسی کو اس خاندان کے متعلق کوئی بھی صحیح بات معلوم نہ ہو سکی (۵۰)

---

(۵۰) دیکھیے مقدمۂ رقعات عالم گیر، ص: ۴۷۹، ڈاکٹر برنیر نے شجاع کے انجام کے متعلق متعدد روایتیں بیان کی ہیں، ملاحظہ ہو: سفر نامۂ ہند، ص: ۱۴۸-۱۵۰۔

داراشکوہ کا انجام

اب اخیر میں داراشکوہ کے انجام کے متعلق وضاحت کر کے ہمیں اس بحث کو تکمیل تک پہنچانا ہے۔

دارا نے اورنگ زیب سے شکست کھا کر چھپتے چھپاتے دہلی کا رخ کیا تھا۔ اب اس کی ہمت ٹوٹ چکی تھی، اور عالم گیری فوج کا رعب اس کے دل میں اس قدر تھا کہ عالم گیر کو اس کی طرف سے اب کسی بڑے خطرے کا امکان کم نظر آتا تھا۔ وہ مختلف علاقوں کی خاک چھان رہا تھا؛ تاہم اورنگ زیب اس سے غافل نہیں تھا۔ کھجوا کی لڑائی سے اورنگ زیب کو فرصت ملی ہی تھی کہ اسے اطلاع ملی کہ دارا نے گجرات میں فوج جمع کر لی ہے، اور ایک مرتبہ پھر قسمت آزمائی کے لیے اجمیر کی طرف بڑھ رہا ہے؛ اس لیے اورنگ زیب نے اجمیر کی راہ لی اور اس طرح آدھمکا کہ دارا کے لیے واپسی ناممکن ہوگئی۔ ۲۸ رجمادی الثانی ۱۰۶۹ھ مطابق ۱۳ رمارچ ۱۶۵۹ء کو ایک سخت معرکہ ہوا، دارا کے بڑے بڑے افسر میدانِ جنگ میں کام آئے اور وہ شکست کھا کر بھاگا۔ اورنگ زیب چند معتمد افسروں کو دارا کے تعاقب کے لیے مقرر کر کے دہلی واپس ہوگیا۔ داراشکوہ صحرانوردی کرتا ہوا دریاے سندھ کو عبور کر کے سیوستان میں داخل ہوا کہ درۂ بولن کی راہ سے قندھار پہنچ جائے۔ راستے میں ملک جیون زمیندارِ دادور کا علاقہ پڑتا تھا؛ اس نے گرفتار کر کے اورنگ زیب کے حوالے

کیا۔ ۱۴ رذی الحجہ ۱۰۶۹ھ مطابق ۲۳ راگست ۱۶۵۹ء کو وہ دہلی لایا گیا، یہاں پانچ دن رکھا گیا، پھر دوسروں کی عبرت کے لیے شہر کے بازار سے گزارا گیا (۵۱)۔ اور بالآخر ۲۱ رذی الحجہ ۱۰۶۹ھ مطابق ۳۰ راگست ۱۶۵۹ء کو اس کو قتل کر دیا گیا، اور اس طرح ایک فتنے سے نجات حاصل کی گئی۔

عام دلوں میں ایک اعتراض یہ اٹھتا ہے کہ دارا شکوہ کو قتل کرنے کے بجائے کہیں نظر بند رکھا جاتا، تب بھی کام چل سکتا تھا، اورنگ زیب کو آخر حقیقی بھائی کو قتل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ عالم گیر کے کچھ ہمدرد بھی سادہ لوحی سے کہتے ہیں کہ اگر عالم گیر بھائی کے خون سے ہاتھ رنگین نہ کرتا تو اخلاقی مرقع میں اس کی تصویر اس قدر نفرت انگیز نہ ہوتی۔ علامہ شبلی اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

تیموری خاندان بلکہ تمام ایشیائی سلطنتوں میں مدعیانِ سلطنت قید اور نظر بند ہو کر بھی سلطنت کے منصوبوں سے دست بردار نہیں ہوتے، اس کے ساتھ ان کے طرف داروں کا ایک گروہ ہمیشہ موجود رہتا ہے، اور اس وقت تک نچلا نہیں بیٹھتا جب تک نخلِ آرزو کے تمام رگ وریشے کٹ نہ جائیں...... یہ قطعی ہے کہ دارا شکوہ جب تک زندہ رہتا، سازشیں برپا رہتیں، اور ملک کو امن وامان نصیب نہ ہوتا؛ اس لیے عالم گیر کو وہی کرنا پڑا، جو خود اس کے باپ شاہ

(۵۱) بظاہر اس رسوائی کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی، مگر اس میں کیا حکمت تھی، اس پر سید نجیب اشرف ندوی نے روشنی ڈالی ہے۔ دیکھیے مقدمۂ رقعات عالم گیر ص: ۴۸۳۔

جہاں سے اس کو ترکے میں ملا تھا۔ شاہ جہاں نے اپنے بھائیوں (داور بخش
وشہر یار) اور حقیقی بھتیجوں (ہوشنگ وغیرہ) کو قتل کرادیا تھا۔ عالم گیر کو بھی اس قس
کی بھینٹ چڑھانے کا حق تھا۔ ع:

ایں گناہیست کہ در شہرِ شمانیز کنند (۵۲)

سیاسی لحاظ سے اورنگ زیب کے دارا کے ساتھ معاملے پر ایک نظر

یہاں تک دارا شکوہ کے متعلق جو ذکر کیا گیا، وہ سیاسی حیثیت سے
تھا، اور آپ نے دیکھا کہ اورنگ زیب کا دامن کس طرح بے داغ ہے۔ اس
موقع پر جو بھی ہوتا، بشرطے کہ اس میں سیاسی شعور ہو، وہی کرتا، جو اورنگ
زیب نے کیا۔ حکومت کو انتشار سے بچانے کے لیے ایسے اقدامات ضروری
ہوتے ہیں؛ پھر یہ کہ اس وقت شاہ جہاں اورنگ زیب کے سارے قصور
معاف کر کے اس سے راضی ہو چکا تھا اور اس کی تخت نشینی کا اعلان بھی ہو چکا
تھا (۵۳)۔ اس کے بعد اس کے خلاف کسی کا خروج یا فوج کشی کھلی بغاوت تھی

(۵۲) اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر ص ۹۲-۹۳۔

(۵۳) اورنگ زیب نے جیسا کہ بار بار اعلان کیا تھا کہ اس کا ارادہ تخت نشینی کا نہیں تھا۔ یہ ایک
حقیقت ہے، اس سے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت اس کا یہی طرز عمل ہے ک
قلعۂ آگرہ پر قبضے کے باوجود، بلکہ زیادہ صحیح لفظوں میں باپ کی نظر بندی کے باوجود اس نے
بادشاہت کا اعلان نہیں کیا اور اسی کوشش میں رہا کہ یہ فتنہ فرو ہو، (بقیہ اگلے صفحے پر)

اور باغی کو دنیا نے ہمیشہ گردن زدنی ہی سمجھا ہے اور اس کے لیے یہی سزا مقرر کی ہے۔ اس لحاظ سے اورنگ زیب نے جو کیا، بالکل صحیح کیا، ورنہ وہ ایک کمزور اور ناعاقبت اندیش حکمراں قرار پاتا!!

جس کی نظر پسِ منظر پر نہ ہو، وہ جب سنتا ہے کہ اورنگ زیب نے اپنے باپ کو قید کیا اور بھائی کو قتل کیا، تو وہ چیخ اٹھتا ہے، اور اورنگ زیب پر نفریں کرنے لگتا ہے؛ مگر جس کی تمام واقعات پر نظر ہو، وہ اورنگ زیب کو معذور اور اس کے اقدام کو درست سمجھتا ہے۔ حقیقت پسند ہندو مؤرخین نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔ ڈاکٹر اوم پرکاش پرساد لکھتے ہیں:

ہندوستانی تہذیب کے تناظر میں باپ کو قید کرنا اور بڑے بھائی کا قتل کرنا ظلم کا مظہر ہوسکتا ہے، اور بڑی حد تک تاریخ بھی اس فعل کو اچھا نہیں مان سکتی؛ لیکن ایسا تسلیم کرلینا اس صورت میں جانب داری پر مبنی ہوگا، جب ہم پہلے کے واقعات پر غور کیے بغیر صرف اورنگ زیب کو قصوروار قرار دیں! (۵۴)۔

(بقیہ صفحہ گذشتہ کا) ...اور شاہ جہاں کو پھر موقع دیا جائے، مگر اس نے دیکھا کہ شاہ جہاں میں اب کوئی طاقت نہیں، اور اب وہ تخت نشین ہوا تو ہندوستان میں دین کے لیے خطرہ ہے تو اس نے اول باپ کو راضی کیا، پھر اس شرعی ضرورت کے تحت اپنی بادشاہت کا اعلان کیا۔ ذوالقعدہ ۱۰۶۸ھ (۳۱ جولائی ۱۶۵۸ء) کو [illegible] تخت نشینی کے مراسم ادا کیے گئے۔ ۲۴ رمضان ۱۰۶۹ھ (۵ جون ۱۶۵۹ء) کو [illegible] دوبارہ [illegible] سے [illegible] ہوئی [illegible] ۱۹۸۸ء۔

(۵۴) ڈاکٹر اوم پرکاش [illegible] ۱۹۹۸ء۔

دارا کے قتل کے شرعی وجوہات

اس سب سے قطعِ نظر، دارا کے قتل کے شرعی وجوہات بھی تھے۔ شر
لحاظ سے اورنگ زیب اور دارا میں اتحاد ناممکن تھا؛ اس لیے کہ اورنگ زی
انتہائی متقی، پارسا، پابندِ شریعت، متبعِ سنت اور ولایت کے اعلیٰ درجے پر فا
تھا؛ اس کے برخلاف دارا شکوہ وحدتِ ادیان کے نظریہ سے متاثر، ویدانتی فل
کا قائل، بدعقیدہ، بددین، گم راہ اور ملحد تھا۔ اب تو دارا شکوہ کی تمام تحریریں منظ
عام پر آچکی ہیں، ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ تصوف کے نام پر کس
درجے گم راہی کے غار میں گر چکا تھا۔

آزاد خیال صوفیہ سے دارا کے روابط

اس نے اپنے عقائدی سفر کا آغاز سلسلۂ قادریہ میں انسلاک سے
کیا۔ اس دور کے آزاد خیال اور وسیع المشرب صوفیہ اس کی رہنمائی کرتے
تھے، جن میں ملا شاہ، شاہ دلربا، شیخ محب اللہ الہ آبادی، شیخ محسن فانی
اور سرمد کے نام نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ انھوں نے اسے وہ راہ دکھائی ج
وحدت ادیان کی منزل کی طرف جاتی تھی؛ نتیجتاً اس نے جوگیوں اور سنیاسیوں
کی صحبت اختیار کر لی اور انھوں نے اس پر اپنا رنگ جمایا۔

دارا کے رہنماؤں کے عقائد وخیالات

یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ دارا کے مرشدین اور رہنماؤں کے

عقائد وخیالات پر کچھ روشنی ڈالی جائے تا کہ دارا کی مذہبی حالت اور عقائدی پسِ منظر کو سمجھنا آسان ہو۔

میاں میر لاہوری

شروع سے ہی دارا پر تصوف کا ذوق غالب رہا، عنفوانِ شباب ہی میں اس نے کتب تصوف کا مطالعہ شروع کیا تھا۔ ۱۰۴۲ھ/۱۶۳۲ء میں جب کہ اس کی عمر انیس برس کی تھی، اس نے لاہور میں قادری سلسلے کے مشہور بزرگ حضرت میاں میر لاہوری (ملا جیو) (متوفی ۱۰۴۵ھ/۱۶۳۵ء) سے ملاقات کی، اور اس کے ذہن پر ان کی عقیدت نقش ہوگئی۔ میاں میر کو بھی اپنے اس مرید سے غیر معمولی شیفتگی تھی، وہ اپنے "یاروں" اور "مریدوں" سے کہا کرتے تھے کہ جس طرح میں دارا کے حال کی طرف متوجہ رہتا ہوں، تم بھی رہا کرو، اگر تم اس کی طرف متوجہ نہ ہوگے تو خدا سے پھر جاؤ گے (العیاذ باللہ) (۵۵)۔

ملا شاہ بدخشی

۱۰۴۹ھ/۱۶۳۹ء میں وہ حضرت میاں میر کے خلیفہ ملا شاہ بدخشی سے ملنے گیا، اور ان سے اتنا متاثر ہوا کہ بیعت کر کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوگیا اور ان کے تعلقات مستحکم ہوتے چلے گئے۔ اسی سنہ میں اس نے اپنی پہلی کتاب "سفینۃ الاولیاء" لکھی۔ اس وقت تک اس کی حالت درست معلوم ہوتی

---

(۵۵) سید صباح الدین عبدالرحمٰن بزم تیموریہ جلد سوم، ص ۱۹۴، تیسرا ایڈیشن ۱۹۹۱ء دارالمصنفین اعظم گڑھ۔

ہے۔ ملا شاہ بدخشی سے ملاقات کے تین سال بعد اس نے میاں میر لاہوری اوران کے خلفاء کے حالات پر ''سکینۃ الاولیاء'' کے نام سے کتاب لکھی۔ یہیں سے شریعت کے قیود سے آزاد تصوف کی طرف اس کا میلان نظر آتی ہے، اور آگے بڑھتے بڑھتے وہ اس حد تک پہنچتا ہے کہ اس کو مسلمان قرار دینا مشکل معلوم ہوتا ہے۔

ملا شاہ کی آزاد مشربی کا یہ حال تھا کہ ان کے نزدیک صوفی کا سکر کی حالت میں رہنا نماز پڑھنے سے زیادہ بہتر تھا، خود دارا شکوہ نے ان کا یہ قول نقل کیا ہے ''سکر حالتے بلند تر است از نماز گزاردن'' (۵۶)

اور لطف یہ ہے کہ وہ اس پر آیت کریمہ "یاأیها الذین آمنوا لاتقربوا الصلاۃ وانتم سکاری" سے استدلال کرتے تھے۔

اس نے ان کے یہ اشعار بھی نقل کیے ہیں:

رشتۂ تسبیح ما رشتۂ زنار شد
رہ سوے میخانہ داد مرشد دانائے ما
روشنی کفر ما ظلمت اسلام سوخت
تا چہ زند عشق با سر و کار از پائے ما (۵۷)

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

نباشد۔ کہتے ہیں

پنجہ در پنجۂ خدا دارم

من چہ پروائے مصطفیٰ دارم

علمائے وقت نے ملا شاہ بدخشی کے خلاف آواز بلند کی، اور شاہ جہاں کی خدمت میں ایک محضر پیش کیا کہ ملا شاہ اللہ کے ساتھ گستاخی اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت کر کے واجب القتل ہو گئے ہیں، لیکن ملا شاہ نے اپنے خلاف الزامات کی تردید اور تاویل کر کے بچاؤ کا سامان کیا (۵۸)

وہ ان راسخ العقیدہ علمائے شریعت کا ''ملایانِ قشر'' اور ''زاہدانِ خشک'' کہہ کر مذاق اڑایا کرتے تھے (۵۹)۔

شاہ محب اللہ الہ آبادی

شیخ محب اللہ الہ آبادی (متوفی ۱۰۵۸ھ/ ۱۶۴۸ء) عہدِ شاہ جہانی کے سلسلۂ چشتیہ صابریہ کے نامور مشائخ میں سے تھے۔ انھوں نے اپنی تعلیمات کی بنیاد شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کے افکار پر رکھی۔ محمد اقبال مجددی صاحب کے الفاظ میں: انھوں نے شیخ اکبر کے وحدت الوجود کے افکار کو [illegible]

[illegible]

ہندوستانی مزاج کے مطابق اس طرح بیان کیا کہ ''وحدت ادیان'' کی مثالوں کے متلاشی افراد کو ان میں بہت سا مواد مل گیا (۶۰)

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں: شاہ محبّ اللہ جس حلقۂ فکر کی ترجمانی کرر ہے تھے، اس سے دارا شکوہ کو خاص عقیدت تھی (۶۱)۔

شاہ محبّ اللہ نے ابن عربی کی ''فصوص الحکم'' کی عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں الگ الگ شرح لکھی۔ فارسی شرح کا ایک نسخہ دارا شکوہ کو بھیجا۔ جب شیخ کے مسکن الٰہ آباد کا صوبہ دارا شکوہ کے سپرد ہوا تو اس نے شیخ کو ایک خط کے ذریعے اس کی خوش خبری دی اور اسے شیخ سے استفادے کا بہترین موقع قرار دیا (۶۲)۔

شاہ محبّ اللہ نے اس کے علاوہ بھی کئی کتابیں لکھیں، سب کا مشترکہ مضمون وحدت الوجود ہی ہے، ان کے مکتوبات کا مجموعہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

---

(۶۰) حسنات الحرمین (مقدمہ) ص: ۸۷۔ [دیکھیے محمد اقبال مجددی، حسنات الحرمین (مقدمہ) ص: ۶۷ (حسنات الحرمین حضرت خواجہ محمد معصوم کے سفر حرمین شریفین کے ملفوظات و مکاشفات کا مجموعہ ہے، جس کو ان کے صاحبزادے حضرت مروج الشریعت محمد عبید اللہ سرہندی نے عربی میں مرتب کیا تھا، اس کو محمد شاکر بن ملا بدر الدین سرہندی نے فارسی میں منتقل کیا، پھر مجددی خاندان ہی کے ایک محقق محمد اقبال مجددی نے اردو ترجمہ، تحقیق و تعلیق کا کام کیا اور اس پر ایک نہایت فاضلانہ ۱۶۰ صفحات پر مشتمل مبسوط مقدمہ لکھا۔ شائع کردہ: مکتبہ سراجیہ خانقاہ احمدیہ سعیدیہ موسیٰ زئی شریف، ضلع ڈیرہ اسماعیل خاں، پاکستان]

(۶۱) تاریخی مقالات، ص: ۱۴۹، طبع ندوۃ المصنفین، ۱۹۶۶ء۔

(۶۲) دیکھیے رقعات عالمگیر، ص: ۳۲۵۔

کی لائبریری میں محفوظ ہے، اس میں دارا شکوہ کے نام بھی طویل مکتوبات ہیں (۶۳)۔

شیخ محبّ اللہ کے جس رسالے پر اس وقت کی ذہنی فضا مکدر اور مذہبی زندگی میں ہلچل مچ گئی، وہ رسالہ تسویہ تھا، جس میں انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نزولِ وحی کے بارے میں ایسی بحث کی تھی جو علماء کے نزدیک قابل اعتراض تھی۔ اس رسالے کے خلاف باقاعدہ کارروائی تو ان کی وفات کے بعد اورنگ زیب کے عہد میں ہوئی، لیکن معاصر ماخذ معارج الولایت کے ایک اندراج سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے حینِ حیات بھی ان کے نظریات کے خلاف شورش برپا ہوئی تھی، اور وہ اس قدر شدید تھی کہ عوام ان کے قتل کے درپے ہو گئے تھے، جب شیخ محمد رشید جونپوری کو معلوم ہوا تو وہ برق رفتاری سے جونپور سے آئے اور انھیں عوام کے نرغے سے بچایا، اور ان کے کلام کی توجیہ کر کے عوام کے جذبات فرو کیے (۶۴)۔

محسن فانی کشمیری

دارا شکوہ کے مرشدین میں محسن فانی کشمیری (متوفی ۱۰۸۲ھ/۱۶۷۱ء) کا نام بھی بہت نمایاں ہے، شاہ محبّ اللہ الہ آبادی سے اس نے سلوک کی تعلیم حاصل کی، آزاد مشربی میں وہ کسی سے پیچھے نہیں۔ اس کے ایک شعر ہی سے

---

(۶۳) ان کی کتابوں کے قلمی نسخوں اور مکتوبات کے مفصل تعارف کے لیے دیکھیے خلیق احمد نظامی، تاریخی مقالات، ص: ۱۴۷-۱۵۱۔

(۶۴) دیکھیے محمد اقبال مجددی: حسنات الحرمین (مقدمہ) ص: ۸۱۔

معلوم ہوتا ہے کہ علماء کو اس کے افکار و خیالات کے خلاف آواز بلند کرنی پڑی:

قاضی از دیباچہ ای برنسخۂ فانی نوشت
فتوی خونیں رقم زد زہر را در شیر کرد

ایک شعر میں اس نے شرعی عبادات سے صاف بیزاری کا اظہار کیا ہے:

ایں عبادتہائے رسمی خوش نمی آید مرا
لیکن می دانم کہ کردن خوشتر از نا کردن است

اور ذیل کے شعر میں اس نے اس سے زیادہ جرأت اور ڈھٹائی کا ثبوت دیا ہے:

نیست ماروشن دلاں را حاجتِ طوفِ حرم
کلبۂ تاریک ما بیت الحرام ما بس است

وحدت الوجود کی تعلیم اس کے یہاں اس طرح ملتی ہے کہ اپنی ذات کو خدا کی ذات میں فنا کردو اور ہو بہو عین خدا ہو جاؤ:

در ذات دوست محو شو از بایدت کمال
در بحر قطرہ تا نشود گوہر نمی شود

[illegible]

[illegible]

فانی که سجدۂ داراشکوہ کرد
دیگر سرش فرود بہ ہر درنمی شود(٦٥)

سرمد

داراشکوہ کے رہنماؤں میں ایک نہایت مشہور نام سرمد کا ہے، وہ اصلاً آرمینیہ کا باشندہ اور نسلاً یہودی تھا۔ اسرائیلی زبانوں اور علوم کا ماہر تھا، وہ مشہور حکیم ملا صدرا شیرازی کا شاگرد تھا، ہندوستان آیا، کچھ عرصہ ٹھٹھ میں مقیم رہا پھر، رحیدرآباد چلا آیا۔ ۱۰۶۴ھ/۱۶۵۴ء میں دہلی پہنچا۔ اس کے اشعار واقوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ وحدتِ ادیان کا قائل تھا، اس کا ایک شعر صاحب بستانِ مذاہب نے نقل کیا ہے:

درکعبہ وبُت خانہ سنگ او شد وچوب اوشد
یکجا حجر الاسود ویکجابتِ ہندو شد(٦٦)

اگر چہ ظاہراً اسلام قبول کرلیا تھا، لیکن اس کے عقائد وافکار میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ تمام مآخذ متفق ہیں کہ وہ اپنے قیامِ ٹھٹھ (۱۰۴۲ھ/۱۶۳۲ء) کے دوران ہی میں مادرزاد برہنہ ہوگیا تھا۔ ٹھٹھ کے زمانۂ قیام ہی میں وہ ایک ہندولڑکے ابھی چند پر ایسا عاشق ہوا کہ وہ اسی کا ہوکر رہ گیا، اسے کئی زبانیں

(٦٥) محسن فانی کے مفصل حالات اور اس کے افکار وخیالات کے لیے ملاحظہ ہو: پاکستان میں فارسی ادب کی تاریخ، ص: ۳۳۷-۳۴۸۔

(٦٦) دبستان مذاہب ص: ۲۴۳، مطبع منشی نول کشور، ۱۸۸۱ء۔

سکھائیں۔ اس لڑکے نے اس کی نگرانی میں توریت کے ابتدائی حصے کا فارسی میں ترجمہ بھی کیا (۶۷)۔

محمد صادق مجددی صاحب لکھتے ہیں: اس کی حرکات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سوچی سمجھی اسکیم کے تحت یہاں آیا تھا، اسے دارا شکوہ کا سہارا ملا تو یہیں کا ہو کر رہ گیا۔...... ہمارا قیاس ہے کہ وہ آوارہ گردی کرتا ہوا دہلی نہیں پہنچا تھا بلکہ دارا شکوہ نے اسے خود دہلی بلایا تھا، کیوں کہ اس کی دارا شکوہ کے ساتھ خط و کتابت بھی تھی .... یقیناً دارا شکوہ اسی قسم کے صوفیۂ خام کی صحبت میں رہ کر ''کعبہ و بت خانہ'' اور ''مسجد و مندر'' کا فرق مٹانے کے درپے ہوا تھا (۶۸)۔

اورنگ زیب نے جب عنانِ حکومت سنبھالی تو جہاں اس نے بہت سے غیر شرعی صوفیہ کا احتساب کیا، وہاں سرمد پر بھی گرفت ہوئی۔ اس نے دربار میں سوال و جواب کے دوران میں بھی اسلام کے خلاف توہین آمیز کلمات کہے چنانچہ علماء کے فتوے سے اسے قتل کر دیا گیا (۶۹)۔

میاں باری

دارا کے مرشدین میں ایک نام میاں باری (متوفی ۱۰۶۲ھ/۱۶۵۲ء)

(۶۷) دبستان مذاہب ص: ۲۴۲، مطبع منشی نول کشور، ۱۸۸۱ء۔

(۶۸) حسنات الحرمین (مقدمہ) ص: ۸۵، ۸۶۔

(۶۹) تفصیل کے لیے دیکھیے مآثر الامراء، ۱/۲۲۴-۲۲۵، وغیرہ۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے ''حیات سرمد'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، لیکن یہ کتاب سرمد کی حمایت اور اس کے دفاع میں ہے، اس میں انھوں نے اس کو سرمد شہید اور شہید عشق کہا ہے۔

کا بھی آتا ہے، چوں کہ وہ قصبہ باری کے نواح میں عزلت گزین تھے، اس لیے دارا انھیں ''باری تعالیٰ'' کہا کرتا تھا۔ وہ موسمِ سرما و گرما دونوں میں برہنہ رہتے تھے۔ دارا نے خود لکھا ہے کہ وہ جب تک (ان کے مرتے دم تک) ان کے پاس جاتا رہا، ان کی مجلس میں کبھی اللہ تعالیٰ کا ذکر تو درکنار کبھی نام تک نہیں آیا، اسی طرح انبیاء و اولیاء کے اسماء بھی کبھی ان کی زبان پر نہیں آتے تھے (۷۰)۔

ایک مرتبہ دارا نے ان سے ان کی تعلیم کے بارے میں سوال کیا تو بولے میں نے ''مُلا و پنڈت دونوں کو مار ڈالا ہے'' یعنی وہ اسلامی وغیر اسلامی دونوں علوم سے بیزار تھے (۷۱)

سلیمان مصری قلندر

شیخ سلیمان مصری قلندر، سلسلہ قلندریہ سے تعلق رکھتے تھے۔ دارا کی ان سے ۱۰۶۴ھ/۱۶۵۴ء میں ملاقات ہوئی۔ وہ خاصے آزاد مشرب تھے۔ انھوں نے خود دارا سے بیان کیا تھا کہ ان کے نماز نہ پڑھنے پر جب علماء نے اعتراض کیا تو انھوں نے امامت کرنے والے اس دیار کے تمام علماء کو ہی ناقص کہہ دیا (۷۲)

(۷۰) حسنات العارفین، ۲۲، و ۳۴/ ۳۴/ ب۔

(۷۱) ایضاً، ۳۳/ ب، نیز دیکھیے حسنات الحرمین (مقدمہ) ص: ۹۱۔

(۷۲) محمد اقبال حسنات العارفین کے حوالے سے اس کو نقل کیا ہے لیکن ندوہ کے کتب خانے میں محفوظ نسخے میں ہمیں سلیمان مصری قلندر کا ذکر نہیں ملا۔ واللہ اعلم۔

شاہ محمد دلربا اور شیخ طیب سرہندی

دارا نے حسنات العارفین میں شاہ محمد دلربا کو اپنا استاد اور مجمع البحرین میں اپنا مرشد بتایا ہے۔ اور ان کے جتنے اقوال نقل کیے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مسخ شدہ تصوف کی ساری منزلوں کو طے کر کے حلول واتحاد کے دائرے میں داخل ہو چکے تھے۔ وہ دارا سے ملا بدخشی کے اشعار سنانے کی اکثر فرمایش کیا کرتے تھے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اسی فکر سے متاثر ہو کر اسی رنگ میں رنگ گئے تھے (۷۳)

شیخ طیب سرہندی کو بھی دارا نے مجمع البحرین میں اپنا مرشد لکھا ہے۔ اس شیخ طیب کے ذریعہ دارا کو بابا پیارے کے بہت سے اقوال ملے تھے۔ شیخ طیب بابا پیارے کے سلسلۂ پیاریہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان میں سے بعض فرمودات یہ تھے:

بابا پیارے کسی قسم کی ظاہری عبادت نہیں کرتے تھے، قرآن وحدیث سے اقوال کبھی نقل نہیں کرتے تھے۔ خدا کا نام زبان پر نہیں لاتے تھے (۷۴) اس کے باوجود انھیں بابا پیارے کے متعلق دارا کا اعتقاد تھا: از کبار مشائخ ہندوستان است......از اولیا بودند......مثلِ وبے درآں وقت کسے نہ بود" (۷۵)۔

---

(۷۳) نیز دیکھیے محمد اقبال مجددی، حسنات الحرمین (مقدمہ) ص:۹۴۔

(۷۴) حسنات العارفین، ۲۷/الف، (۷۵) ایضاً، ۲۶/ب۔

ہندو جوگیوں اور سنیاسیوں کی صحبت

دارا نے ان وجودی صوفیوں ہی کی صحبت پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ ہندو جوگیوں اور سنیاسیوں کو بھی وہ اپنا پیر و مرشد ماننے لگا۔ ان میں بابا لال بیراگی کا نام سب سے اوپر ہے۔ بابالال وحدتِ ادیان کے پرچار اور کفر واسلام کے فرق کو مٹانے کے لیے وجود میں آنے والی بھگتی تحریک کا اس آخری دورِ شاہ جہانی میں علم بردار تھا۔ اپنی فکر کو پھیلانے کے لیے اس نے باقاعدہ ایک حلقہ بنا رکھا تھا جو بابالالی کہلاتا تھا۔ داراشکوہ کا اس کے ساتھ بہت گہرا تعلق تھا۔ وہ اپنے پرائیویٹ سکریٹری چندر بھان برہمن کے ہم راہ لاہور میں بال لال سے نومبر اور دسمبر ۱۶۵۳ء میں دو ماہ تک ملاقاتیں کرتا رہا۔ اس عرصے میں بابا سے جو گفتگو ہوئی، وہ کتابی صورت میں ہندی زبان میں محفوظ کر لی گئی۔ بعد میں ان مکالمات کے ترجمان چندر بھان برہمن نے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا جو "مکالمۂ بابالال وداراشکوہ" کے نام سے مشہور ہے، اور کئی مرتبہ طبع ہو چکا ہے۔ ان مکالمات میں جو سوالات دارا نے کیے، ان سے واضح ہوتا ہے کہ اس کا ذہن کس طرح تیزی سے "کفرِ حقیقی" کے حقائق جاننے کی طرف مائل ہو رہا تھا۔ اور اس کے بعد جب اس نے ہندوؤں کی مذہبی کتابوں کا گہرا مطالعہ اور پھر ان پر تحقیق و ترجمہ کا کام شروع کیا تو اس وقت تک وہ بابالال سوامی کے رنگ میں پوری طرح اپنے آپ کو رنگ چکا تھا۔ دارا نے بابالال کو

حسنات العارفین میں ''کمل عرفاء'' کہا ہے۔ اس کتاب میں دارا نے بابالال کی نصیحتیں درج کی ہیں۔ بعض نصیحتیں ان میں ایسی ہیں جن سے کفرواسلام کا امتیاز ختم ہو جاتا ہے۔ طوالت کی وجہ سے ہم ان کو قلم زد کررہے ہیں۔ جنوری ۱٦۵۵ء میں اس نے یہ کتاب مکمل کی تھی۔ اس سے اگلے ہی سال جب وہ اپنی مشہور مجمع البحرین لکھنے بیٹھا تو اس پر بابالال کے افکار پوری طرح مسلط ہو چکے تھے(٧٦)۔ اس میں اس نے ایک جگہ بابالال کو اپنا مرشد لکھا ہے(٧٧)۔

بابالال نے سرہند کے قریب دہیان پور میں ایک مندر کے ساتھ اپنے چیلوں کی تربیت کے لیے ایک تربیت گاہ بنالی تھی۔ ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ داراشکوہ کے حکم سے یہ ''سمادھی بابالال'' تعمیر کی گئی تھی جواب تک موجود ہے۔

محمد صادق مجددی صاحب کا یہ قیاس صحیح معلوم ہوتا ہے کہ بابالال کے لیے داراشکوہ نے قصداً سرہند میں یہ سمادھی اس لیے بنائی تھی کہ ''مجددی تحریک'' پر جس کی بنیادی فکر ''احیاے اسلام'' ہے، زد پڑے، اور اس کے مرکز سرہند کی نقل وحرکات سے وہ ہر وقت باخبر رہے(٧٨)۔

---

(٧٦) دیکھیے حسنات الحرمین (مقدمہ) ص:٨٦-٨٨۔
(٧٧) مجمع البحرین (قلمی) ورق ١١ب، مخزونہ کتب خانہ علامہ شبلی ندوۃ العلماء لکھنؤ
(٧٨) حسنات الحرمین (مقدمہ) ص:٨٩۔

بابالال بیراگی کی طرح چندر بھان برہمن کو بھی دارا کے رہنماؤں میں شمار کر سکتے ہیں۔ اگرچہ اس کی حیثیت دارا کے دوست اور مصاحب کی تھی، لیکن اس کی صحبت اور فکر کا دارا پر گہرا اثر پڑا۔ وہ ایک قابل شخص تھا۔ ہندو ہونے کے باوجود اس نے مسلمان اساتذہ سے عربی و فارسی اور دینی تعلیم حاصل کی تھی۔ شاہ جہانی عہد میں وہ معزز عہدوں پر فائز رہا۔ اس نے مذہب کا ایک ملغوبہ تیار کیا تھا۔ اس کے نزدیک کعبہ و بت خانہ، مسجد و مندر اور مسلمان و ہندو میں کوئی مذہبی فرق نہیں تھا۔ اس کے درج ذیل شعر پر خاصا ہنگامہ ہوا تھا:

مرادلیست بکفر آشنا کہ چندیں بار
بکعبہ بروم وبازش برہمن آوردم

ریاض الشعراء میں ہے کہ جب اس نے یہ شعر کہا تو بادشاہ ہند شاہ جہاں نے برافروختہ ہو کر کہا اس شقی کو قتل کر دینا چاہیے۔ افضل خاں نے عرض کیا یہ شعر سعدی کے اس شعر کے مصداق ہے ۔

خرعیسیٰ اگر بمکہ رود چوں بیاید ہنوز خر باشد

بادشاہ نے اس پر تبسم فرمایا اور دوسری طرف متوجہ ہوا اور بات آئی گئی ہوگئی (۷۹)۔

اس کے ایک شعر سے اس کے نظریۂ وحدتِ ادیان پر صاف روشنی پڑتی ہے:

---

(۷۹) ریاض الشعراء (قلمی) ورق: ۱۶۱/ب، مخزونہ کتب خانہ ندوۃ العلماء لکھنؤ

بانی خانہ وبت خانہ وے خانہ یکست
خانہ بسیار و لے صاحب ہر خانہ یکست

اس کی طبیعت اور مزاج بالکل داراشکوہ جیسا تھا۔ اسی جذباتی ہم آہنگی کی بنیاد پر دارا نے اس کی خدمات شاہ جہاں سے اپنے لیے مانگ لی تھیں۔ چنانچہ جب دارا قندھار کی مہم پر روانہ ہوا تو برہمن اس کے رفیقِ خاص کی حیثیت سے اس کے ساتھ تھا۔ واپسی میں لاہور میں بابالال سے ملاقات میں وہی ترجمان کا کام کر رہا تھا (۸۰)

اسی طرح دارا کے سکھوں کے گرو ہر رائے کے ساتھ بھی مذہبی ہم آہنگی کی بنیادوں پر خوشگوار تعلقات تھے (۸۱)

گزر چکا ہے کہ وہ بابالال بیراگی کو "کمل عرفا" اور اپنے استاد و مرشد میاں باری کو باری تعالیٰ کہا کرتا تھا۔ اسی طرح اس نے حسنات العارفین میں بھگت کبیر کو "کمل عارفانِ ہندوستاں" لکھا ہے عام ہندو پنڈت اور سنیاسی جن سے اس نے بزعم خود توحید (اور فی الحقیقت خالص ہندو فلسفہ) کا درس لیا، ان کے بارے میں اس نے یہ الفاظ لکھے ہیں:

مشربِ موحدانِ ہندو محققان ایں قوم قدیم نماید بابعضے از کاملانِ ایشاں کہ بہ نہایت ریاضت و ادراک و فہمیدگی و غایتِ تصوف وہ خدایابی رسیدہ

(۸۰) اس کے مفصل حالات کے لیے دیکھیے پاکستان میں فارسی ادب کی تاریخ: ص: ۹۴-۱۲۴۔
(۸۱) دیکھیے حسنات الحرمین (مقدمہ) ص: ۹۵-۹۶۔

بودند، مکرر صحبتہا داشتہ (۸۲)

اوران کے مقابلے میں راسخ العقیدہ علماے حق کو اس نے جن القاب سے نوازا ہے ان کو ملاحظہ کیجیے دارا کی حقیقت سمجھ میں آجاے گی۔ حسنات العارفین کے مقدمے میں انھیں پست نظراں، دون ہمت وزاہدان خشک، پھر آگے دجاجلۂ عیسی نفساں وفراعنۂ موسیٰ صفتاں وابوجہلان محمدی مشربان، اور سر اکبر کے دیباچے میں جہلاے وقت، خدا کے راستے کے رہزران (۸۳) اور سکینۃ الاولیا میں ملایانِ قشر اور بد بختان شریر کے القاب سے نوازا ہے۔

آزاد مشرب صوفیہ اور جوگیوں کی صحبت کا نتیجہ

ہم نے دارا کے عقائدی پس منظر کو ذرا تفصیل سے بیان کیا ہے، تاکہ اس کی روشنی میں دارا کو سمجھنا آسان ہوجاے۔ انھیں صوفیاے خام اور جوگیوں کی صحبت اور تعلیم و تربیت کا اثر تھا کہ دارا نے نظریاتی اور عملی دونوں حیثیتوں سے اسلام سے علاحدگی اختیار کی اور بے زاری کا کھل کر اظہار کیا۔

دارا کی طبیعت میں اعلیٰ ظرفی کا بڑا فقدان تھا۔ اسے اپنی انا کی تسکین سے غرض تھی، حاشیہ نشینوں کے تملق کا اس پر بہت جلد اثر پڑتا تھا۔ اس کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر مصلحت کوش صوفیہ و مشائخ اسے عارفِ کامل،

(۸۲) مجمع البحرین (قلمی) ورق ۲/۱، مخزونہ کتب خانہ ندوۃ العلماء لکھنو
(۸۳) دیکھیے بزم تیموریہ جلد سوم، ص: ۱۹۸۔

حقیقت شناس، موحد اور صاحب کشف وکرامات ہونے کا تأثر دے رہے تھے۔(۸۴) ان کی موقع شناس نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ دارا اپنے دنیاوی جاہ واقتدار کے ساتھ ان کے عقائد ونظریات کی ترویج واشاعت کا ایک مؤثر آلۂ کار بن سکتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ دارا اپنے تئیں ''عارفِ کامل'' سمجھنے لگا۔ اس نے ولایت کے بڑے بڑے دعوے کیے (۸۵) اور اپنے مذہب کا پرچار شروع کیا، اس کے کفریات کی لمبی فہرست ہے۔ ان کو نقل کرنے کی یہاں گنجایش نہیں۔ پوری واقفیت حاصل کرنے کے لیے اس کی تمام کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے یا کم سے کم ڈاکٹر عبدالرب عرفان کی کتاب ''دارا شکوہ اپنی نگارشات کے آئینے میں'' ملاحظہ کرنا چاہیے۔

جیسا کہ ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ ۲۸ سال کی عمر میں (۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء) جب اس نے اپنی دوسری کتاب سکینۃ الاولیاء لکھی، تو اسی وقت شرعی قیود سے آزادی کے اس کے رجحان کا اندازہ ہونے لگا تھا، اس کے بعد وہ اپنے ہم مشرب صوفیہ سے ملتا رہا اور اس کے مذہبی خیالات کا بھی اظہار ہوتا رہا۔ اسی کے ساتھ ہی لوگوں نے اس پر اعتراضات شروع کر دیے، بلکہ اس کی تکفیر تک ہونے لگی تھی،

(۸۴) اس کے لیے ان مکتوبات کا مطالعہ کرنا چاہیے جو انھوں نے دارا کو لکھے تھے یا ان سے ہوئی آپس کی باتوں کو دیکھنا چاہیے۔ حسنات العارفین اور سکینۃ الاولیاء میں اس نے یہ باتیں اور بعض خطوط نقل کیے ہیں۔ نیز دیکھیے پاکستان میں فارسی ادب کی تاریخ ص: ۳۴۰ اور تاریخی مقالات از خلیق احمد نظامی، ص: ۱۴۹-۱۵۰۔

(۸۵) مثلاً دیکھیے حسنات العارفین کا دیباچہ، سکینۃ الاولیاء کا دیباچہ وغیرہ۔

انھیں اعتراضات کا جواب دینے کے لیے اس نے حسنات العارفین لکھی جو ۱۰۶۵ھ/ ۱۶۵۵ء میں مکمل ہوئی۔ اس کے عقائد میں اس وقت تک جو تبدیلیاں ہوئیں تھیں اس میں اس نے ان کا صراحت سے ذکر کر دیا ہے۔

علماے حق سے تنفر

علماے شریعت کو کوستے ہوئے اس نے خود اپنی تکفیر کا ذکر کیا ہے:

پست نظراں دون ہمت وزاہدانِ خشک بے حلاوت از کوتاہ بینی درضد طعن وتکفیر وانکار می شدند (۸۶) یعنی یہ زاہدان خشک ملا اپنی کوتاہ بینی سے اس پر اعتراض کرنے لگے ہیں اور اس کی تکفیر پر اتر آئے ہیں۔

یہی نہیں بلکہ دیباچے ہی میں اپنے دل کی بھڑاس نکالتے ہوئے اس نے ان راسخ العقیدہ علماء کو دجال، فرعون اور ابوجہل جیسے القاب سے بھی نوازا ہے۔ جیسا کہ ابھی ہم بیان کر چکے ہیں۔

اسلام کی ابدیت پر شبہ

اس کی بعض عبارتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسے اسلام پر اب کسی طرح کا یقین نہیں رہ گیا تھا۔ اسلام کی ہزار سالہ زندگی کی بحث جو اکبر کے

---

(۸۶) حسنات العارفین (قلمی) ورق: ۱، مخزونہ کتب خانہ ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ اس نسخے میں درضد وظن وتکفیر ہے، اور محمد اقبال مجددی نے مطبوعہ نسخے کے حوالے سے درصدد طعن نقل کیا ہے، غالباً صحیح عبارت درضد طعن...... ہے۔

زمانے میں شروع ہوئی تھی اور جس کے خلاف حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے جہاد عظیم کیا تھا، دارا بھی اسی اکبری خیال کا ہم نوا نظر آتا ہے، ایک سلسلے میں لکھتا ہے ''محمد پیش از ہزار سال رسول بود'' (۸۷)

کفر کی طرف پیش قدمی

اس کتاب کے مطالعے سے جہاں اس وقت کے تصوف میں شرعی قیود و احکام سے دوری اور بے زاری کے آثار ملتے ہیں، وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بھگتی تحریک شاہ جہاں کے ان ایام میں داراشکوہ کی سرکردگی میں اپنے عروج پر پہنچ چکی تھی، اور اس تحریک سے متاثر ہونے والے بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں اس کے علم بردار سارے صوفیہ کے ساتھ اس کے روابط تھے۔ اور اس نے شاہ دلربا کے نام ایک خط میں پوری صراحت بلکہ فخر کے ساتھ لکھا ہے: الحمدللہ الحمدللہ کہ از برکت صحبتِ ایں طائفۂ شریفۂ مکرمۂ معظّمہ از دلِ ایں فقیر اسلامِ مجازی برخاست و کفر حقیقی رُوے نمود...... اکنوں کہ قدرِ کفر حقیقی دانستم، زنار پوش و بت پرست بلکہ خود پرست و دیر نشیں گشتم (۸۸)

یعنی اس معزز و مکرم گروہ (صوفیہ اور جوگیوں) کی صحبت کی بدولت، اسلام میرے دل سے برخاست ہو کر کفر حقیقی رونما ہو چکا ہے۔

اب مجھے کفر حقیقی کی قدر معلوم ہوئی تو میں نے زنار پہنا، بت

---

(۸۷) ایضاً، ۲۹/ الف، اس نے محمد اسی طرح یعنی بغیر کسی تکریم اور صلاۃ و سلام کے لکھا ہے۔

(۸۸) رقعات عالم گیر، ۴/ ۲۰۷، ص ۳۲۲۔

پرست، بلکہ خود پرست بن گیا اور دیر میں جا بیٹھا۔

اعتقادی کفریات

اب اس کے اس کفر کی داستان سنیے:

"واعبد ربك حتى ياتيك اليقين" (یعنی موت تک اپنے رب کی عبادت کیجیے) یہاں یقین کے معنی باتفاقِ مفسرین موت کے ہیں، مگر اس نے اس کا مطلب یہ بیان کیا کہ یقین آنے کے بعد عبادت کی ضرورت نہیں (۸۹)۔

اس کے بعض کفریہ اشعار کا ترجمہ ملاحظہ ہو کہ "نقل کفر کفر نہ باشد"

رگ وپے دوست کے عشق سے بھر گئے، اگر میں کہوں کہ میں خدا ہوں تو روا ہے؛ ہم خود اپنی بندگی کی بدولت خدا ہو گئے ہیں؛ ہم (بقاے مطلق میں) فانی ہو کر سراپا بقا ہو گئے ہیں؛ جب سے تیرا وصال نصیب ہوا ہے، ہم تیری خدائی کے طفیل خدا ہو گئے ہیں۔

ہم حقیقت کو ہاتھ سے جانے نہ دیں گے؛ اگر شریعت ہاتھ سے جاتی ہے تو اس کی مرضی (۹۰)۔

"مشتے نمونہ از خروارے" یہ کافی ہے، ورنہ اس کے لیے تو ایک دفتر چاہیے۔

پھر ہندو جوگیوں اور سنیاسیوں اور سادھوؤں کی صحبت نے اس پردہ

(۸۹) ملاحظہ ہو دارا شکوہ اپنی نگارشات کے آئینے میں، ص:۱۰۹۔
(۹۰) دیکھیے ایضاً، ص ۱۰۸-۱۰۹۔

اثر کیا کہ اس کا دین و مذہب ہی رخصت ہو گیا۔ سنہ ۱۰۶۵ھ/۱۶۵۵ء ہی میں اس نے مجمع البحرین لکھی، اس میں اس نے بتایا ہے کہ اسلام اور ہندومت ایک ہی سمندر کے دو دھارے ہیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلام اور ہندومت کے افکار میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے جو کچھ ہے صرف لفظی فرق ہے، ان کا منبع و مخرج ایک ہی ہے۔ ان دونوں دریاؤں کو ملا دینا چاہیے۔ اس نے اس کو فارسی میں لکھنے ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ''سمودر سنگم'' کے نام سے سنسکرت میں اس کا ترجمہ بھی کروایا۔ تا کہ ہندوؤں کو بھی اچھی طرح معلوم ہو کہ وہ انہیں کا آدمی ہے۔ اس طرح اس کو ان کی پوری حمایت حاصل ہو (۹۱)

اب تک اس نے اسلام اور ہندومت کا تقابلی مطالعہ کیا تھا۔ اور جو کچھ حاصل کیا تھا، وہ صوفیاے خام اور جوگیوں اور سادھوؤں کی صحبت کا نتیجہ تھا، لیکن اس کو اس پر پورا اطمینان نہیں ہوا، چناں چہ اب اس نے چاہا کہ ہندومت کا براہ راست مطالعہ کرے، اس مقصد کی خاطر اس نے ہندوؤں کی مقدس مذہبی کتاب جوگ بشسٹ کا فارسی میں ترجمہ کروایا۔ اس کے لیے اس نے باقاعدہ ایک بورڈ قائم کیا جس نے اس کو تکمیل تک پہنچایا۔ اسی دوران میں دارا نے خواب میں بشسٹ اور رام چندر کو دیکھا۔ بشسٹ نے رام چندر کو اشارہ کیا کہ داراشکوہ ''طلب صدق'' میں تمھارا بھائی ہے، اس لیے اس سے معانقہ کرو، تو وہ ''کمال محبت'' سے دارا سے بغل گیر ہوا۔ پھر بشسٹ نے رام چندر کو

(۹۱) بزم تیموریہ، جلد سوم، ص: ۱۹۶ نیز حسنات الحرمین (مقدمہ، ص: ۱۰۱-۱۰۲)

شیرنی دی کہ دارا کو کھلادو تو دارا نے رام چندر کے ہاتھ سے وہ شیرنی کھالی (۹۲)۔

وہ بتدریج آگے بڑھ رہا تھا۔ اس ترجمے کے ایک ہی سال بعد ۱۰۶۷ھ/ ۱۶۵۷ء میں اس نے بنارس کے سنیاسیوں اور پنڈتوں کی مدد سے ہندوؤں کی مشہور مذہبی کتاب ''اپنشد'' کے منتخب پچاس ابواب کا فارسی میں ترجمہ کروایا، جس کا نام اس نے ''سرا کبر'' رکھا۔ اس کتاب میں اس نے بسم اللہ کے بجائے گنیش جی کی تصویر دی ہے، اور دیباچہ میں لکھا ہے کہ اصل قرآن مجید یہی ہے۔

اس دیباچے کا خلاصہ ہم پیش کرتے ہیں، لیکن اس کو پیش کرنے سے پہلے ہزار بار اللہ سے توبہ کرتے ہیں؛ اس کو نقل کرتے ہوے ہاتھ کانپتے ہیں اور قلم رُک رُک جاتا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

چوں کہ قرآن مجید...... کی اکثر باتیں رمزی ہیں اور آج کل ان کے جاننے والے کم ہیں، اس لیے میں نے چاہا کہ تمام آسمانی کتابوں کو پڑھوں، کیوں کہ کلام الٰہی اپنی تفسیر آپ ہے...... میں نے توریت، انجیل، زبور اور دوسری کتابیں پڑھیں، لیکن ان میں توحید کا بیان مجمل اور اشارات میں تھا...... اس لیے اس بات کی فکر میں ہوا کہ ہندوستان وحدت عیان میں توحید کی گفتگو کیوں بہت زیادہ ہے...... تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ اس قوم قدیم

(۹۲) دیکھیے حسنات الحرمین (مقدمہ)، ص: ۱۰۳۔

(یعنی ہندوؤں) کے درمیان تمام آسمانی کتابوں سے پہلے چار آسمانی کتابیں تھیں: رگ بید، سام بید، اتھربن بید......اور اس وقت کے سب سے بڑے نبی برہما یعنی آدم صفی اللہ پر یہ تمام احکام نازل ہوے......اور محض توحید کے اشغال اس میں درج ہیں، جس کا نام اپنکہت ہے......جو کہ توحید کا خزانہ ہے......اور توحید کے متعلق ہر قسم کی مشکل اور اعلیٰ باتیں جن کا میں طلب گار تھا، لیکن حل نہیں پاتا تھا، اس قدیم کتاب کے ذریعے سے معلوم ہوئیں، جو بلاشک وشبہ پہلی آسمانی کتاب ہے، اور بحرِ توحید کا سرچشمہ ہے اور قدیم ہے، اور قرآن مجید کی آیت بلکہ تفسیر ہے، اور صراحتاً ظاہر ہوتا ہے کہ یہ آیت بعینہٖ اس کتابِ آسمانی سرچشمۂ بحرِ توحید اور قدیم کے حق میں ہے "انہ لقرآن کریم فی کتاب مکنون" متعین طور سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت توریت وانجیل کے حق میں نہیں، لفظ تنزیل سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ لوح محفوظ کے حق میں ہے، چوں کہ اپنکہت کہ ایک مخفی راز ہے، اصل وماخذ ہے، اور قرآن مجید کی آیتیں بعینہٖ اس میں پائی جاتی ہیں، پس تحقیق کی چھپی کتاب یہی قدیم کتاب ہے (۹۳)۔

سر اکبر کے دیباچے کو پڑھ کر علامہ شبلی کو لکھنا پڑا:

دلوں کا حال خدا کو معلوم ہے، لیکن اس کتاب کے دیباچے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ دارا بالکل ہندو بن گیا تھا؛ اور کچھ شبہ نہیں کہ اگر وہ تخت

---

(۹۳) دیکھیے بزم تیموریہ، جلد سوم، ص: ۱۹۷-۱۹۹۔

شاہی پر متمکن ہوتا تو اسلامی شعار اور خصوصیات بالکل مٹ جاتے (۹۴)۔

عملی کفر

یہ تو اس کے فکری ونظری اور زیادہ صحیح لفظوں میں عقائدی کفر کا حال تھا جہاں تک عمل کا تعلق ہے اس حیثیت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہندو بن گیا تھا، معاصر مورخ محمد کاظم شیرازی نے لکھا ہے:

بجائے اسمائے حسنیٰ الٰہی اسمے ہندوی کہ ہنود آں را ''پربھو'' نامند واسم اعظم می دانند بخطِ ہندوی برنگینہ ہائے الماس ویاقوت وزمرد وغیرِ آں از جواہرے کہ می پوشید نقش کردہ، بآں تبرک می جست، وچوں معتقدِ آں بود کہ تکلیف عبادات ناقصاں راست وعارفِ کامل را عبادت درکار نیست، وآیت کریمہ ''واعبد ربك حتى ياتيك اليقين'' رابمشرب ملاحدہ فرا گرفتہ دلیلِ ایں معنی می ساخت، بنابریں عقیدۂ فاسدہ نماز وروزہ وسائرِ تکالیف شرعیہ راخیر باد گفتہ بود (۹۵)

داراشکوہ نے بجائے اسمائے حسنیٰ کے ہندی نام ''پربھو'' جسے ہندو اسمِ اعظم سمجھتے ہیں، الماس ویاقوت وزمرد اور دوسرے جواہر جن کو پہنتا تھا، ان پر نقش کرالیا تھا اور اسے متبرک خیال کرتا تھا، اور چوں کہ اس کا اعتقاد تھا کہ عبادتوں کی تکلیف ناقصوں کے لیے ہے، عارفِ کامل کو اس کی کوئی ضرورت

---

(۹۴) مقالات شبلی جلد ہفتم ص ۱۱۴، مطبع معارف اعظم گڑھ، ۱۹۶۵ء۔

(۹۵) محمد کاظم شیرازی، عالم گیر نامہ، ص: ۳۵، طبع کلکتہ، ۱۸۶۸ء

نہیں، اس پر وہ آیت کریمہ واعبد ربك حتىٰ يأتيك اليقين کی ملاحدہ کے طریقہ کے مطابق تاویل کر کے دلیل کے طور پر پیش کرتا تھا، اسی عقیدہ فاسدہ کی بنیاد پر اس نے نماز روزہ اور دوسرے تمام شرعی احکام کو خیر باد کہہ دیا تھا۔

وہ مندروں کی تعمیر و آرائش میں بھی دلچسپی کا مظاہرہ کرنے لگا تھا۔ اس نے متھرا کے مقام پر کیشو رائے کے مندر میں پتھر کے ستون نصب کروائے تھے۔ دارا کے مسلسل اصرار پر شاہ جہاں نے ہندوؤں کے بعض ٹیکس بھی معارف کرادیے تھے۔(۹۶)

کفر واسلام کی جنگ

انھی وجوہ سے (۹۷) اورنگ زیب دارا کو ملحد سمجھتا تھا، اور انھی جیسے القاب سے یاد کرتا تھا۔ مراد بھی اپنے خطوط میں اس کو ملحد ہی لکھا کرتا تھا۔ بھائی ہونے کی وجہ سے اورنگ زیب دارا کی اُفتادِ طبع سے زیادہ واقف تھا، اور اس

(۹۶) دیکھیے حسنات الحرمین (مقدمہ) ص: ۱۰۶۔

(۹۷) اس کے باوجود شمس بریلوی صاحب کا یہ ریمارک کتنا افسوسناک ہے! اورنگ زیب کے دارا کو ملحد قرار دینے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''میری نظر میں عامۃ المسلمین کو اپنانے کی خاطر یہ ایک سیاسی شگوفہ چھوڑا گیا تھا'' اور دارا کے لیے تمنا کرتے وقت انھیں ذرا باک نہیں ہوتا۔ لکھتے ہیں کاش انھوں نے (شاہ جہاں نے) اپنی زندگی میں یہ تاج دارا کے سر پر رکھ دیا ہوتا، تاکہ وہ ان مصائب کا شکار نہ ہوتے جو اکبر آباد کے قلعے میں ان پر گذر گئے! (اورنگ زیب خطوط کے آئینے میں ص ۳۵) شمس صاحب نے بعض خطوط پر حاشیہ آرائی کر کے شاہ جہاں کی مصیبتوں کو بڑھا کر ان کا گہرا احساس دلانے کی بھی کوشش کی ہے۔

کے عقائد و خیالات کی سنگینی کا اس کو زیادہ احساس تھا، اور اس کا فوری استیصال ہندوستان میں اسلام کی بقا و استحکام کے لیے ضروری سمجھتا تھا۔ اس نے بار بار شاہ جہاں کی خدمت میں لکھا کہ اس کا مقصد نہ آپ کی ایذا رسانی ہے اور نہ تخت پر قبضہ کرنا ہے، بلکہ اس کا صرف ایک مقصد ہے اور وہ ہے ملحد دارا شکوہ کی جڑ ختم کرنا اور بس، اس کے علاوہ کچھ نہیں! نظر بندی کے بعد ایک خط میں لکھتا ہے: اگر خدانخواستہ آپ کی حمایت کی شہ پر اس بدکیش (دارا شکوہ) کا ارادہ پورا ہو جاتا تو تمام ملک کفر و ظلم کی ظلمت سے تیرہ و تار ہوتا، اور شریعت کا کاروبار بالکل ٹھپ ہو جاتا۔ اس صورت میں قیامت کے دن اس کی جواب دہی سے عہدہ برآ ہونا بہت ہی دشوار ہو جاتا؛ پس اس صورت میں جو کچھ اللہ کے حکم سے ظاہر ہوا، اس پر شکر کرنا چاہیے نہ شکایت۔

ایک اور خط کا اقتباس ملاحظہ ہو:

"میں نے اس سے قبل کئی بار خدمتِ اقدس میں عرض کیا کہ میرا اکبرآباد کی طرف روانہ ہونا نہ تو بغاوت ہے اور نہ بادشاہِ اسلام کے خلاف خروج ہے۔ عالم الغیب گواہ ہے کہ ایسے خلافِ شرع فعل کا خیال میرے دل میں پیدا نہیں ہوا، بلکہ جب اعلیٰ حضرت کی بیماری کے زمانے میں آپ کے ہاتھ سے اختیارات لے لیے گئے اور شاہزادۂ کلاں نے (جن میں مسلمانی کی کوئی بات بھی

نہیں) پوری قوت پیدا کرلی اور پورا پورا اپنا تسلط ملک پر قائم کرلیا اور ظاہری جہاں بانی ان کو حاصل ہوگئی اور کفر والحاد کے جھنڈے انھوں نے ملک میں ہر طرف بلند کردیے، تو اس صورت میں ان کا دفع کرنا عقلاً وشرعاً اور عرفاً مجھ پر واجب ہوگیا، تو ایسی صورت میں میں نے اپنے ذمے یہ لازم کرلیا کہ ان کو دفع کروں، میں اس مقصد سے ادھر روانہ ہوگیا"(۹۸)۔

شیخ محمد اکرام دارا شکوہ کی شخصیت پر روشنی ڈالتے ہوے رقم طراز ہیں: دارا شکوہ کے ہم خیال تو اسے "محی الدین والملت" کہتے تھے، لیکن مسلمانوں کو اس کی ہندو یوگیوں اور سادھوؤں سے صحبت ضرور ناپسند ہوگی۔ بھائیوں کی مخالفانہ کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان امراء اور علماء بھی دارا کو ملحد سمجھنے لگے اور انھیں ڈر پیدا ہوگیا کہ اگر دارا شکوہ بادشاہ ہوا تو اکبر کی سی مذہبی بے قاعدگیاں ہندوستان میں پھر عام ہوجائیں گی(۹۹)۔

درحقیقت یہ اکبری الحاد ہی کے اثرات تھے جو شاہ جہاں کے دور تک باقی تھے؛ وہ اگرچہ بدمذہب نہیں تھا مگر سیاسی مفادات دینی احساسات پر حاوی ہوگئے تھے۔

---

(۹۸) ملاحظہ ہو رقعات عالم گیر، ۱/۱۲۴ و ۱۳۰/۷، یہ ترجمہ شمس صاحب کی کتاب سے نقل کیا گیا ہے۔

(۹۹) رود کوثر، ص: ۴۵۳، تاج کمپنی دہلی، ۱۹۹۱ء

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی دارا شکوہ اور اورنگ زیب کے درمیان تقابل کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں: دارا شکوہ میں ایسے آثار نظر آتے تھے کہ وہ بڑھ کر دوسرا اکبر ثابت ہوگا، اسے ولی عہدِ سلطنت سمجھا جاتا تھا اور امورِ سلطنت میں اسے اتنا دخل تھا کہ راسخ الاعتقاد گروہ کی کوششیں اکثر اس کی وجہ سے کالعدم ہو جاتی تھیں۔ اس لیے وہ لوگ جو راسخ الاعتقادی کے مخالف تھے، اپنے آپ کو محفوظ محسوس کر سکتے تھے، اور یہ امید بھی کر سکتے تھے کہ آئندہ کسی زمانے میں حکومت پر ان کا اقتدار قائم ہو جائے گا۔ راسخ الاعتقاد طبقے کی امیدیں اورنگ زیب پر مرکوز تھیں جو اپنے عقائد و اعمال میں نہ صرف راسخ الاعتقاد تھا بلکہ زاہد و متقی بھی تھا۔ اس کی پارسائی اور اس کے کردار میں وہ تمام خوبیاں موجود تھیں جو راسخ الاعتقادی کے خیر خواہوں کو اس کے گرد جمع کر دینے کے لیے ضروری ہو سکتی تھیں (۱۰۰)۔

ڈاکٹر عبدالمغنی اس صورت حال پر اس طرح روشنی ڈالتے ہیں:

شاہ جہاں کی حوصلہ افزائی سے ولی عہد دارا شکوہ نے تخت پر بیٹھنے سے پہلے ہی اپنی تمام حرکتوں اور سرگرمیوں سے واضح کر دیا کہ اگر وہ سریر آرائے سلطنت ہوا تو ہندوستان سے اسلام کا خاتمہ ہو جائے گا اور ملک میں

---

(۱۰۰) برِعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ ص ۲۰۵، کراچی۔ ایک دوسرے موقع پر لکھتے ہیں: شاہ جہاں کے ماتحت وہ (برادرانِ وطن) دارا شکوہ پر بھروسا کر سکتے تھے جو اپنے مذہبی میلانات کے اعتبار سے دوسرا اکبر ثابت ہونے کی توقع دلاتا تھا (علماء میدان سیاست میں، ص: ۱۲۶، شعبۂ تصنیف و تالیف و ترجمہ، کراچی)

ملت اسلامیہ کی آبرو باقی نہیں رہے گی۔ اس صورت حال کو علماء ورؤساء کے علاوہ اور سب سے زیادہ اورنگ زیب نے محسوس کیا؛ لہٰذا اس نے خاندانی اقتدار کے بجائے اپنے عقائد کی حفاظت کے لیے باپ اور بھائیوں کی مفاداتی سیاست کے خلاف بغاوت کا جھنڈا بلند کیا، اور اپنے تدبر وتدبیر، عزم وحوصلہ اور فراست وجرأت سے آیندہ صدیوں کے لیے ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کی لڑائی جیت لی؛ خواہ اس کے نتیجے میں جیسا کہ کہا جاتا ہے اس نے مغلیہ سلطنت کی بنیادیں کمزور کردی ہوں (۱۰۱)۔

یہ جنگ اگرچہ تاریخ میں ''جنگِ تخت نشینی'' کے نام سے مشہور ہے لیکن یہ حقیقت سابقہ تفصیل سے بالکل واضح ہے کہ یہ جنگ تخت نشینی کے لیے نہیں تھی۔ یہ دو بھائیوں کے ذاتی اختلافات کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ یہ حق وباطل کی کش مکش اور کفر واسلام کا معرکہ تھا اور بقول محمد اقبال مجددی: اصل جنگ تو راسخ العقیدہ اور آزاد مشرب صوفیہ کے افکار کا ٹکراؤ تھا، وحدت ادیان کی تحریکوں، بھگتی گیانوں اور پابندِ شرع نقشبندیوں کے تصادم کا نام ''جنگ تخت نشینی'' تھا (۱۰۲)۔

سموگڑھ کی جنگ بقول پروفیسر محمد اسلم: حصول تخت کے لیے نہیں بلکہ ہندوستان کے آیندہ شہنشاہ کی مذہبی حکمت عملی کا فیصلہ کرنے کے لیے لڑی

(۱۰۱) اورنگ زیب علیہ الرحمہ، ص: ۵۷-۵۸، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی۔ ۱۹۹۴ء

(۱۰۲) حسنات الحرمین (مقدمہ) ص: ۱۲۲۔

گئی تھی (۱۰۳)۔

مولانا سید نجیب اشرف ندوی نے برادرانہ جنگ پر کتنا حقیقت پسندانہ تبصرہ کیا ہے:

یہ اورنگ زیب و دارا کی جنگ نہ تھی، یہ شجاع و شاہ جہاں کا تصادم نہ تھا، یہ مراد و عالم گیر کی مخالفت نہ تھی، بلکہ یہ کفر و اسلام کی جنگ تھی، ایمان و الحاد کا تصادم تھا اور صحیح شریعت و عامیانہ طریقت کی لڑائی تھی۔ اس جنگ کا مقصد یہ نہ تھا کہ دارا تختِ حکومت کا مالک ہو کر رہے یا اورنگ زیب، بلکہ اس کی غایت یہ تھی کہ اسلام ایک مرتبہ پھر ہندوستان میں سنبھالا لے گا یا اس الحاد کی جس کی بنا اکبر نے رکھی تھی مہلک گرفت میں چلا جائے گا (۱۰۴)۔

علماء کا اورنگ زیب کی حمایت کرنا اور جنگ میں شریک ہونا

اسی وجہ سے علمائے وقت نے کھل کر اورنگ زیب کی حمایت کی۔

حضرت مجدد صاحب کے خاندان اور ان کے عقیدت مندوں کی ہمدردیاں تمام تر اورنگ زیب کے ساتھ تھیں۔ انھی ایام میں جب برادرانہ جنگ کے لیے فضا مکدر ہو چکی تھی، ۱۰۶۷ھ/ ۱۶۵۷ء میں حضرت خواجہ محمد معصوم حج کے لیے روانہ ہوئے تو دکن میں کئی مقامات پر قیام کیا، اور برہان پور میں خاص طور پر ایک مہینہ قیام فرمایا (۱۰۵) جہاں اورنگ زیب عرصے سے مقیم اور جنگی

---

(۱۰۳) تاریخی مقالات از پروفیسر محمد اسلم، ص: ۲۲۶، ندوۃ المصنفین لاہور، تاریخ ندارد۔

(۱۰۴) مقدمۂ رقعات عالم گیر، ص: ۳۴۴۔

(۱۰۵) محمد کاظم شیرازی، عالم گیر نامہ، ص: ۴۸۔

تیاریوں میں مصروف تھا۔ حضرت مجدد صاحب کے دوسرے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد سعید سفر حج پر روانہ ہونے سے پیشتر اورنگ زیب کو اطلاع دیتے ہوئے فرماتے ہیں: امید ہے کہ ان مقدس مقامات میں جا کر ہم تمھاری سلامتی وکامیابی اور شوکت وترقی کے لیے دعا کریں گے کہ تمھاری کامیابی دراصل ''صلاح عام اور تقویت اسلام'' کا باعث ہے (۱۰۶)

اورنگ زیب کی درخواست پر حضرت خواجہ محمد معصوم نے راونگی سے قبل اپنے فرزند شیخ محمد اشرف اور بھتیجے شیخ سعد الدین بن حضرت خواجہ محمد سعید کو اورنگ زیب کے پاس بھیجا اور خاص طور پر اپنے فرزند کو اورنگ زیب کا رفیق بننے کا حکم دیا شیخ محمد اشرف میدان جنگ میں بھی اورنگ زیب کے ہم راہ فتح ونصرت کے لیے دعا میں لگے رہے۔ اسی طرح شیخ سعد الدین ہمہ وقت اورنگ زیب کے ساتھ میدان جنگ میں مصروف نظر آتے ہیں (۱۰۷)۔

رخصت ہوتے وقت اورنگ زیب حضرت خواجہ محمد معصوم کی زیارت کے لیے حاضر ہوا تو اسے ہندوستان کی بادشاہت کی بشارت دی (۱۰۸)

جنگ کے ایام میں اورنگ زیب کے ایک حامی امیر نواب قطب الدین خاں نے حضرت شیخ آدم بنوری (خلیفۂ مجدد الف ثانیؒ) کے خلیفہ شیخ

---

(۱۰۶) دیکھیے مکتوبات سعیدیہ، ص: ۱۴۵۔

(۱۰۷) کمال الدین محمد احسان، روضۃ القیومیہ ۲/ ۱۷۷، ۲/ ۱۹۷، ۲/ ۲۰۶، مکتبہ نبویہ، لاہور، ۱۹۸۹ء (بشکریہ مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی)۔

(۱۰۸) ایضاً ۲/ ۱۷۶۔ محمد اقبال مجددی صاحب نے حسنات الحرمین کے مقدمے میں اس سلسلے کی بہت سی بشارتوں اور مکاشفات کا ذکر کیا ہے۔ دیکھیے ص ۱۲۶-۱۳۰۔

عبدالخالق قصوری کی خدمت میں حاضر ہوکر اورنگ زیب کی کامیابی کے لیے دعا کی درخواست کی، چناں چہ انھوں نے کامیابی کے لیے خصوصیت سے دعا کی (۱۰۹) اسی طرح سلسلہ قادریہ کے شیخ سید شیر محمد حسنی برہانپوری (متوفی ۱۰۹۰ھ) اورنگ زیب پر خاص نظر عنایت فرماتے تھے (۱۱۰) انھوں نے بھی اس کی کامیابی کے لیے دعا کا اہتمام کیا۔ اس جنگ میں اورنگ زیب کی کامیابی کے لیے حرمین شریفین میں بھی علماء ومشائخ نے دعائیں کی تھیں (۱۱۱)۔

یہی نہیں بلکہ جو علماء ومشائخ جو برہان پور میں رہائش پذیر تھے، انھوں نے تو صاف اورنگ زیب کی حمایت کا اعلان کیا اور فتویٰ جاری کیا۔ جب اورنگ زیب برہان پور سے داراشکوہ کے مقابلے کے لیے نکلا تو شیخ طاہر پٹنی کے پوتے شیخ عبدالوہاب نے فتویٰ جاری کیا کہ چوں کہ شاہ جہاں بیماری اور ضعف کی بنا پر کاروبارِ سلطنت چلانے سے معذور ہے اور سلطنت کی باگ دارا شکوہ نے اپنے ہاتھ میں لے رکھی ہے؛ اس لیے اورنگ زیب کی دارالحکومت پر فوج کشی شرعاً جائز ہے (۱۱۲)۔ قریب العہد ماخذ مقامات معصومیہ

---

(۱۰۹) دیکھیے محمد اقبال مجددی، حسنات الحرمین (مقدمہ) ص: ۱۲۸۔

(۱۱۰) اورنگ زیب کے ساتھ ان کے تعلقات کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا عبدالحی حسنی لکھتے ہیں: وكان لا يفارقه في الخلوة والأسفار (نزہۃ الخواطر، ۵/۱۸۸) وہ خلوت میں بھی اورنگ زیب سے جدا نہیں ہوتے تھے اور سفر میں بھی ہم رکاب رہتے تھے۔

(۱۱۱) محمد اقبال مجددی، محولۂ بالا، ص ۱۲۹۔

(۱۱۲) پروفیسر محمد اسلم، محولہ بالا، ص: ۲۳۸-۲۴۱۔

کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ سیف الدین بن خواجہ محمد معصوم، اورنگ زیب کے ہمراہ ایک لشکر میں موجود تھے (۱۱۳) اور محمد اعظم دیدہ مری نے لکھا ہے کہ اورنگ زیب کے لشکر میں حضرت خواجہ محمد معصوم کے کئی خلفاء موجود تھے (۱۱۴) اسی طرح حضرت شاہ ولی اللہ کے دادا شیخ وجیہ الدین بھی جنگِ برادران میں عالم گیر کے ساتھ تھے (۱۱۵)۔

علماء و مشائخ بالخصوص مجددی حضرات اورنگ زیب کی فتح و نصرت کی خوش خبری سننے کے لیے بے چین۔ دارا پر قابو پاتے ہی اورنگ زیب نے نہایت مسرت کے ساتھ حضرت شیخ محمد معصوم اور حضرت شیخ محمد سعید کی خدمت میں خط لکھا؛ یہ خط نہایت نادر ہے اس لیے ہم پورا نقل کر رہے ہیں:

نحمدہ ونصلی از جانب ایں نیازمندترین خلائق
بدرگاہ حضرت واہب العطیات بہ حقائق معارف آگاہ
فضائل وکمالات دستگاہ شیخ محمد سعید سلامِ عافیت انجام
برسد۔ آں چہ از مجد ونصرت یافتن آن لشکرِ اسلام
براعداے دین بظہور آمدہ بہ سمع شریف رسیدہ باشد۔

(۱۱۳) دیکھیے حسنات الحرمین (مقدمہ) ص: ۱۴۸
(۱۱۴) دیکھیے ایضاً ص: ۱۵۲۔
(۱۱۵) شاہ ولی اللہ، الامداد فی مآثر الاجداد، ص: ۸ (مطبع احمدی، دہلی) نیز دیکھیے تاریخ دعوت وعزیمت، حصہ پنجم ص ۴۳۔

از دست زبان کہ برآمد
کز عہدہ شکرش بدرآمد

کہ چوں ظلمتِ شب بہ میان جان آں سیہ روی درآمدنیم، جان بہ ہزار نکبت از معرکہ بیروں برد، لشکر گرانی بہ تعاقبت آں بے عاقبت تعین گشتہ امید از فضل بخشندہ بے منت آنست کہ بہ زودی اسیر گردد، توقع کہ ایں خیرخواہ عباداللہ را بدُ عا سلامت دارین وخیریت نشا تین درمظانِ اجابت یاد می نمودہ باشند۔ والسلام و بہ غضبت پناہ شیخ محمد معصوم و شیخ محمد یحیٰ سلام عافیت انجام رسد، والسلام والاکرام(۱۱۶)

اس کے جواب میں انھوں نے مبارکبادی کا خط لکھا۔ اسی طرح قادری سلسلے میں عظیم بزرگ اور مصنف حضرت سلطان باہو نے بھی اپنی تصانیف میں اورنگ زیب کو شاندار طریقے پر خراج تحسین پیش کیا ہے(۱۱۷)۔

---

(۱۱۶) اورنگ زیب کا یہ خط کتب خانہ گنج بخش مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان (راولپنڈی، پاکستان) کے ایک قلمی مجموعہ رسائل نمبر ۱۴۲۹ میں شامل مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کے آخری ورق: ۱۲۱ پر منقول ہے اور اورنگ زیب کے خطوط کے مطبوعہ مجموعوں میں موجود نہیں ہے۔ دیکھیے محمد اقبال مجددی، حسنات الحرمین (مقدمہ) ص: ۱۳۱-۱۳۳۔

(۱۱۷) دیکھیے محمد اقبال مجددی، محولہ بالا، ص: ۱۳۶

عارف کبیر حضرت خواجہ خاوند محمود کشمیری لاہوری (متوفی ۱۰۵۲) کے صاحبزادے خواجہ احمد نے بھی اورنگ زیب کو مبارک باد کا خط لکھا۔(۱۱۸)۔

ان کے دوسرے صاحبزادے خواجہ معین الدین کشمیری جو بیس سال سے ہندوستان میں پیدا شدہ بدعات کی وجہ سے پریشان تھے، جب اورنگ زیب کو کامیابی ملی تو انھوں نے اظہارِ شکرِ خداوندی کے طور پر کلام پاک کی عربی زبان میں ''زبدۃ التفاسیر'' (۱۱۹) ایک تفسیر لکھی، ''شاہ اورنگ زیب عادلے عالم گیر'' تاریخ تصنیف ہے، اس کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

''میں عرصۂ دراز سے ان ''بدعات واہواء'' کی وجہ سے پریشان تھا جو اس ملک میں رائج ہیں، بیس سال کے بعد عالم گیر کا دور آیا اور مجھے اور اہل ملک کو اطمینان حاصل ہوا تو بطور شکریہ میں نے یہ تفسیر لکھی اور بادشاہ (اورنگ زیب) کے حضور میں پیش کی۔ (۱۲۰)

غرض، اورنگ زیب نے شرعی فریضہ سمجھ کر دارا شکوہ کے خلاف فوج کشی کی اور ہندوستان کو اس کے زہریلے اثرات سے پاک

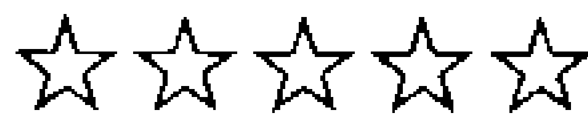
---

(۱۱۸) محمد کاظم شیرازی، عالم گیر نامہ، ص: ۶۲۹۔

(۱۱۹) یہ ایک مختصر تفسیر ہے، اس کا ایک نسخہ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں اور ایک نسخہ کتب خانہ سعیدیہ ٹونک (راجستھان) میں موجود ہے۔

(۱۲۰) قاضی محمد عمران خاں ٹونکی: معین بن محمود کشمیری اور ان کی تصانیف، مقالہ مشمولہ معارف (ماہنامہ) اعظم گڑھ، مارچ ۱۹۶۷، ص: ۲۳۰-۲۳۱۔

کیا کہ ''خس کم جہاں پاک'' ورنہ، اِس وقت ہندوستان کو ہندوراشٹر بنانے کی جو باتیں کہی جارہی ہیں، اُسی وقت اس کا فیصلہ ہو چکا ہوتا، اور ہندوستان میں مسلمانوں کی وہ حیثیت نہ ہوتی جو آج ساری کمزوریوں اوران کے خلاف ہونے والی سازشوں کے باوجود انھیں حاصل ہے۔ اس لیے کم سے کم ہر مسلمان کو تو اورنگ زیب کا شکر گزار ہونا چاہیے!!



فہرستِ مآخذ

(۱)احکامِ عالم گیری،حمید الدین خاں،(اردو ترجمہ) مکتبہ الحسنات، دہلی، ۲۰۰۵ء

(۲)الامداد فی مآثر الاجداد، شاہ ولی اللہ دہلوی، مطبع احمدی، دہلی

(۳)اورنگ زیب، رشید اختر ندوی، احسن برادرس، لاہور ۱۹۵۵ء

(۴)اورنگ زیب علیہ الرحمہ، پروفیسر عبد المغنی، مرکزی مکتبۂ اسلامی دہلی، ۱۹۹۴ء

(۵)اورنگ زیب اور سلطان ٹیپو -- مذہبی حکمت عملی کا تجزیہ، بشمبھر ناتھ پانڈے، انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز، نئی دہلی، ۱۹۹۶ء

(۶) اورنگ زیب اور ہندوؤں کے ساتھ تعلقات، اکھلیش جائسوال، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ ۱۹۹۶ء

(۷)اورنگ زیب -- ایک نیا نقطۂ نظر، ڈاکٹر اوم پرکاش پرساد، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۹۴ء

(۸)اورنگ زیب خطوط کے آئینے میں (ترجمۂ رقعاتِ عالم گیر) شمس بریلوی، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، ۱۹۷۰ء

(۹)اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر، علامہ شبلی نعمانی، دار المصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۱۹۹۹ء

(۱۰) برعظیم پاک و ہند کی ملتِ اسلامیہ، ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، ترجمہ: ہلال احمد زبیری، شعبۂ تصنیف و تالیف و ترجمہ، کراچی یونیورسٹی، کراچی (باردوم) ۱۹۸۳ء

(۱۱) برنیر کا سفر نامۂ ہند، ڈاکٹر فرانسیس برنیر، ترجمہ و حواشی: خلیفہ محمد حسین، تخلیقات، لاہور، ۲۰۰۰ء

(۱۲) بزم تیموریہ (جلد سوم) سید صباح الدین عبدالرحمٰن، دارالمصنفین، اعظم گڑھ، (تیسرا ایڈیشن) ۱۹۹۱ء

(۱۳) پاکستان میں فارسی ادب کی تاریخ -- عہد جہاں گیر سے عہد اورنگ زیب تک، ڈاکٹر ظہور الدین احمد، مجلس ترقیِ ادب، لاہور، ۱۹۷۴ء

(۱۴) تاریخ کی سچائیاں -- اورنگ زیب اور ٹیپو سلطان، سید خورشید مصطفٰی رضوی، دہلی، ۱۹۹۶ء

(۱۵) تاریخی مقالات، پروفیسر محمد اسلم، ندوۃ المصنفین، لاہور، تاریخ ندارد

(۱۶) تاریخی مقالات، پروفیسر خلیق احمد نظامی، ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۹۶۶ء

(۱۸) حسنات الحرمین (مقدمہ) محمد اقبال مجددی، مکتبہ سراجیہ، خانقاہِ احمدیہ سعیدیہ، موسیٰ زئی شریف، ضلع ڈیرہ اسماعیل خان، پاکستان، ۱۹۸۱ء

(۱۹) حسنات العارفین، داراشکوہ، (قلمی) مخزونہ کتب خانہ ندوۃ العلماء، لکھنؤ

(۲۰) حضرت مجدد الف ثانی، مولانا زوار حسین شاہ، ادارۂ مجددیہ، ناظم آباد، کراچی، ۱۹۸۳ء

(۲۱) دار اشکوہ اپنی نگارشارت کے آئینے میں، ڈاکٹر عبدالرب عرفان، واصف پبلی کیشنز، کامٹی، ناگپور، ۲۰۰۰ء

(۲۲) دبستانِ مذاہب، محسن فانی کشمیری، مطبع منشی نول کشور، ۱۸۸۱ء

(۲۳) رقعاتِ عالم گیر، مرتبہ و مصححہ سید نجیب اشرف ندوی، دارالمصنفین اعظم گڑھ

(۲۴) رقعات عالم گیری، مطبع نامی لکھنؤ، ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء

(۲۵) رودِ کوثر، شیخ محمد اکرام، تاج کمپنی، دہلی ۱۹۹۱ء

(۲۶) روضۃ القیومیہ، کمال الدین محمد احسان، مکتبۂ نبویہ، لاہور، ۱۹۸۹ء

(۲۷) ریاض الشعراء، علی قلی والہ داغستانی (قلمی) مخزونۂ کتب خانۂ ندوۃ العلماء، لکھنؤ

(۲۸) سکینۃ الاولیاء، داراشکوہ، (اردو ترجمہ) فرید بک ڈپو، دہلی، ۱۹۹۹ء

(۲۹) عالم گیر غازی، پیرزادہ سید عزیز حسن بقائی، مطبوعات اسلامیہ، دارالاشاعت، دہلی، ۱۹۳۰ء

(۳۰) عالم گیر نامہ منشی محمد کاظم، ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ، ۱۸۶۸ء

(۳۱) علماء میدان سیاست میں، اشتیاق حسین قریشی، ترجمہ: ہلال احمد زبیری، شعبۂ تصنیف و تالیف و ترجمہ، کراچی یونیورسٹی، کراچی، ۱۹۹۴ء

(۳۲) علماے ہند کا شاندار ماضی (جلد اول) مولانا سید محمد میاں، کتابستان، دہلی

(۳۳) عملِ صالح موسوم بہ شاہ جہاں نامہ، محمد صالح کنبوہ، مجلس ترقیِ ادب، لاہور، ۱۹۶۷ء

(۳۴) مآثر الامراء، شاہ نواز خان، ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ، ۱۸۸۸ء

(۳۵) مآثر عالم گیری، مستعد خاں ساقی، مطبوعہ کلکتہ

(۳۶) مجمع البحرین، داراشکوہ (قلمی) مخزونہ کتب خانہ ندوۃ العلماء، لکھنؤ

(۳۷) معارف (ماہنامہ) اعظم گڑھ، ۱۹۶۷ء

(۳۸) مقالات شبلی (جلد ہفتم) علامہ شبلی نعمانی، دارالمصنفین، اعظم گڑھ، ۱۹۹۰ء

(۳۹) مقدمۂ رقعاتِ عالم گیر، سید نجیب اشرف ندوی، دارالمصنفین اعظم گڑھ

(۴۰) مکتوبات سعیدیہ، شیخ محمد سعید سرہندی، مرتب: حکیم عبدالمجید احمد سیفی مجددی، مکتبہ حکیم سیفی، لاہور

(۴۱) مکتوبات شریفہ (مکتوبات سیفیہ) خواجہ سیف الدین سرہندی، جمع کردہ: مولانا محمد اعظم (فرزندِ خواجہ سیف الدین سرہندی)

(۴۲) مکتوبات معصومیہ، خواجہ محمد معصوم سرہندی، مطبوعۂ کراچی

(۴۳) منتخب اللباب، محمد ہاشم خاں المخاطب بہ خافی خاں، ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ، ۱۸۷۴ء

(۴۴) نزھۃ الخواطر، مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی، دارعرفات، رائے بریلی، ۱۹۹۲ء

(۴۵) واقعات عالم گیری، عاقل خاں رازی (قلمی) مخزونہ کتب خانہ ندوۃ العلماء، لکھنؤ

(46) History of Aurangzib, Jadunath Sarkar, Calcutta, 1925

حواشی وکتابیات

(۱) اس سلسلے میں ان کی ایک کتاب کا اردو ترجمہ ''اورنگ زیب اور سلطان ٹیپو- مذہبی حکمتِ عملی کا تجزیہ'' کے نام سے شائع ہوا ہے۔ شائع کردہ: انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز، نئی دہلی-۲۵۔

(۲) اورنگ زیب کے ہندوؤں کے ساتھ تعلقات کے سلسلے میں ہندو مؤرخین کی آرا کے لیے ملاحظہ ہو: سید خورشید مصطفیٰ رضوی، تاریخ کی سچائیاں- اورنگ زیب اور ٹیپو سلطان ص ۵۳ تا ۵۸- دہلی، ۱۹۹۶ء

(۳) یہ دونوں کتابیں خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ نے شائع کی ہیں۔

(۴) علمائے ہند کا شاندار ماضی، جلد اول ص: ۴۹۹، کتابستان، دہلی۔

(۵) ملاحظہ ہو اورنگ زیب خطوط کے آئینے میں (ترجمۂ رقعاتِ عالم گیر)، سوانح حیات ص ۳۵ تا ص ۵۸، نیز ص ۱۲ و ص ۲۷، مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی، ۱۹۷۰ء۔

(۶) تعلیم کے سلسلے میں تفصیل کے لیے دیکھیے: سید نجیب اشرف ندوی، مقدمۂ رقعات عالم گیر، ص: ۱۲۵ تا ۱۳۲، دارالمصنفین اعظم گڑھ۔

(۷) دیکھیے مولانا سید زوار حسین شاہ: حضرت مجدد الف ثانی، ص: ۷۰۷، ادارۂ مجددیہ، ناظم آباد، کراچی، ۱۹۸۳ء۔

(۸) دیکھیے تاریخ دعوت وعزیمت جلد چہارم ص ۳۳۶ تا ۳۴۰، از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی۔ مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، لکھنؤ۔

(۹) دیکھیے عالم گیر نامہ ص ۱۰۹۱، از منشی محمد کاظم، ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ، ۱۸۶۸ء۔

(۱۰) دیکھیے مقدمۂ رقعات عالم گیر، ص: ۳۵۰۔

(۱۱) رقعات عالم گیری ص ۲۳-۲۴، رقعہ ۵۴ مطبع نامی لکھنؤ، ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱
حمیدالدین خاں نے احکام عالم گیری میں بھی اس کا ذکر کیا ہے، دیکھیے احکام عالم گیر
ص:۳۳ (اردو ترجمہ) مکتبہ الحسنات دہلی، ۲۰۰۵ء۔

(۱۲) برنیر کا سفر نامۂ ہند، ص: ۵۹، از ڈاکٹر فرانسیس برنیر، ترجمہ وحواشی خلی
محمد حسین، تخلیقات، لاہور، ۲۰۰۰ء۔

(۱۳) دیکھیے: عالم گیر غازی از پیرزادہ سید عزیز حسن صاحب بقائی، ص: ۱۰(بحوا
لین پول، ص۲۰)۔ مطبوعہ اتحاد پرنٹنگ ورکس دہلی (مطبوعات اسلامیہ دارالاشاع
دہلی) ۱۹۳۰ء۔

(۱۴) دیکھیے داراشکوہ اپنی نگارشات کے آئینے میں، ص:۴۹ (بحوالہ منو کی ص: ۲۲
از ڈاکٹر عبدالرب عرفان، واصف پبلی کیشنز، کامٹی، ناگپور، ۲۰۰۰ء۔

(۱۵) دیکھیے مقدمۂ رقعات عالم گیر، ص: ۳۵۴۔

(۱۶) مقدمۂ رقعات عالم گیر میں یہاں دوسرے کے بجائے تیسرے ہے۔ غا
یہاں نجیب اشرف ندوی صاحب سے سہو ہوا ہے، اس لیے کہ قندھار کے دو ہی محاصر
مشہور ہیں، اور داراؤ کی یہ حرکتیں دوسرے محاصرے کے موقع ہی پر تھیں، اس کی تفصیل
لیے دیکھیے مقدمۂ رقعات عالم گیر، ص: ۱۷۹-۱۹۴، نیز ۳۷۲-۳۷۸۔

(۱۷) ایضاً، ص: ۳۵۵۔

(۱۸) دیکھیے: ص: ۱۵۶-۱۶۱ و ص: ۳۷۱-۳۷۸۔

(۱۹) دیکھیے: ص: ۶۷-۷۵، احسن برادرس، لاہور، ۱۹۵۵ء۔

(۲۰) دیکھیے رقعات عالم گیر مرتبہ و مصححہ سید نجیب اشرف ندوی، ۴/۶۰، ص ۱۹
دارالمصنفین اعظم گڑھ، سنہ ندارد، نیز دیکھیے مقدمۂ رقعات، ص: ۲۲۲۔